لکھے انیسؔ! خوب بہ سرعت یہ چند بند   لے جائے شوق سے، جسے مضموں ہو جو پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند   اُس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند

نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو! پیو سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

اِنتخاب

میر انیس

بزمِ انیس کراچی

تاریخِ طباعت

رئیس امروہوی

یہ مرثیہ و نظم و ابیات کا سرمایہ
اُردو کی ترقّی کی معراجِ فلک پایہ
اے روحِ انیس! اسکی تاریخِ طباعت سُن
تاریخِ طباعت ہے "غم ہائے گراں مایہ"

۱۳۸۳ھ

پہلا ایڈیشن تین ۳ ہزار جلدیں
دوسرا ایڈیشن ایک ہزار
محرم الحرام ۱۳۸۳ھ مطابق جون ۱۹۶۳ء

قیمت ۲ روپے

جامعہ پرنٹرس ملیر سٹی کراچی ۳۷

انتخابِ میر انیس

اکتالیس ۴۱ مختصر مرثیے، آٹھ ۸ سلام

اور

پانچ ۵ رباعیاں

بزمِ انیس

۳۶۳ - سراج الدولہ روڈ
بہادر آباد سوسائٹی
کراچی نمبر ۵

حالی

○

اُردو! گو راج چار سُو تیرا ہے
شہروں میں رواج کُو بہ کُو تیرا ہے
پر جب تک انیس کا سحر ہے باقی
تُو لکھنؤ کی ہے، لکھنؤ تیرا ہے

○

دِلّی کی زبان کا سہارا تھا انیس
اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس
دِلّی جڑ تھی، تو لکھنؤ اس کی بہار
دونو کو ہے دعوا کہ ہمارا تھا انیس

فہرست

حرفِ اوّل

"بزمِ انیس" کی یہ پہلی پیش کش ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ اس میں میرانیس کے مرثیوں سے بند اس طرح چُن کر پیش کئے گئے ہیں کہ مرثیوں کا حسن، تسلسل اور واقعات کی ترتیب بھی برقرار ہے اور تقریباً تمام شہدا کے حالات بھی آجائیں یہ کام کتنا مشکل اور نازک ہے اہلِ نظر اس سے بخوبی واقف ہوں گے۔ ایک تو انیس کے مرثیے اپنی جگہ خود منتخب ہیں۔ ان مرثیوں سے بندوں کا انتخاب کرنا اور انھیں ایک سلسلے میں پرونا بڑی جانکاہ منزلوں سے گزرنا تھا۔ یہ ایک طرح کی جسارت بھی تھی۔ دوسری بات یہ کہ ہر مرثیے سے اسی قدر بند منتخب کئے گئے ہیں جنھیں ملا کر واقعات کا ایک سلسلہ آسانی سے قائم کیا جا سکتا ہے اور جو ایک مختصر اور معیّنہ وقت میں مجلس میں پڑھے جاسکتے ہیں۔ ان پابندیوں نے ہمارے پائے انتخاب میں ایک اور زنجیر باندھ دی تھی۔ بہر حال کئی سال کی محنت شاقّہ کے بعد یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر میرانیس کے ان مرثیوں سے اس قسم کے

انتخاب کی کیا ضرورت پیش آئی جبکہ اُن کے تمام مرثیے اپنی جگہ خود ہی منتخب ہیں۔ ہم مختصراً یہ انتخاب پیش کرنے کی وجوہ عرض کئے دیتے ہیں۔

انیسؔ کی شاعرانہ عظمت اور حسینی تبلیغ میں ان کی گراں مایہ خدمات کے اعتراف کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ پورے اردو ادب کے بحرِ بیکراں میں انیسؔ کی شاعری ایک مینارۂ نور کی طرح کھڑی ہوئی ہے جو ہر نئے آنے والے کو راہ دکھاتی ہے۔ انیسؔ کا اندازِ بیان، زبان پر اُن کی بے مثل قدرت، جذباتِ انسانی کو ڈرامائی طور پر پیش کرنے میں اُن کا بے نظیر سلیقہ، اُن کے کلام کی بلند نگاہی اور آفاقیت، یہ وہ چیزیں ہیں جن سے کوئی صاحبِ ذوق انکار نہیں کر سکتا۔ مگر انیسؔ کے مرثیے کئی ضخیم جلدوں میں بکھرے ہوئے ہیں اور تمام جلدیں حاصل کرنا اور اُن کا تمام و کمال مطالعہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ان جلدوں کی خریداری اکثر و بیشتر ہماری استطاعت اور دسترس سے باہر ہے۔ دوسرے اس تیز رفتار ہنگامہ خیز اور بے انتہا مشغول دنیا میں عام آدمیوں سے یہ توقع رکھنا ہی عبث ہے کہ وہ انیسؔ کے مرثیوں کی تمام جلدوں کے مطالعے کے لئے وقت نکال سکیں گے۔

یہ انتخاب اس لحاظ سے عام لوگوں کے سامنے انیسؔ کے نمائندہ کلام کو پیش کر دیتا ہے اور اُن کے ذوق کی تسکین کے لئے ایک ہی جلد میں اتنا سرمایہ بہم پہنچانے کی کوشش کرتا ہے کہ انیسؔ کے تمام مرثیوں

تک عام آدمیوں کی نارسائی کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو جاتی ہے۔

اِس کے علاوہ یہ بھی غور فرمایئے کہ جہاں تک مجلسوں کا تعلق ہے کتنی مجلسیں مرثیوں کی ہوتی ہیں اور اُن میں کتنے لوگ شریک ہوتے ہیں!؟ اس کا جواب کوئی حوصلہ افزانہ ہوگا۔ مرثیہ خوانی کی مجلسوں کا رواج رفتہ رفتہ کم ہوتا جارہا ہے اور اسی نسبت سے ان میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بھی کم ہوتی جارہی ہے۔ یہ افسوس اور دُکھ کی بات ہے۔ مرثیہ خوانی کی مجلسوں نے ہمیں چند ایسی چیزیں عطا کی تھیں جن کا کوئی بدل نہیں۔ اِن مجلسوں نے ہمیں تحت اللفظ مرثیہ خوانی کا ایک ایسا انداز عطا کیا جس میں فن کی بلندی اور زندگی کی دردمندی تھی۔ ہزاروں کا مجمع محوِ حیرت بنا گھنٹوں مرثیے سُنا کرتا اور "آہ" اور "واہ" کی آوازوں سے مجلسیں گونج اٹھتیں۔ اِن مجلسوں کا ہمیں تہذیب سکھانے میں بھی بڑا ہات رہا ہے۔ اٹھنے بیٹھنے، شعر سننے، مصرعے اٹھانے اور دُہرانے اور داد دینے کے طور طریقوں سے اور آدابِ مجلس سے ہمیں اِنھی مجلسوں میں شریک ہوکر واقفیت ہوئی۔ اِن تمام باتوں سے قطع نظر اِن مجلسوں کا سب سے بڑا فیضان یہ تھا کہ اِن میں ہر مذہب وملت کے لوگ جمع ہو جاتے تھے اور مرثیوں کی ادبی و شعری خوبیوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ شہدائے کربلا کی عظیم قربانیوں کی عظمت اپنے دلوں میں لے کر اُٹھتے اور ان کی بارگاہ میں اشکوں کا خراجِ عقیدت پیش کرتے۔ مگر آج صورتِ حال یہ ہے کہ

اِن مجلسوں کی طرف سے بے اعتنائی بڑھتی جارہی ہے اور اگر لوگ اِن مجلسوں میں شریک بھی ہوتے ہیں تو بار بار اپنی گھڑی کی جانب دیکھتے جاتے ہیں تحت اللفظ مرثیہ خوانی کا فن اتنا معدوم ہو چکا ہے کہ لوگ اچھے پڑھنے والے کو بھی ایسی نظر سے دیکھتے ہیں گویا وہ کسی دوسری دنیا سے آیا ہے۔

انیسؔ کے مرثیے، اختصار کے ساتھ پیش کرتے وقت یہی تمام چیزیں ہمارے سامنے تھیں۔ ہم چاہتے تھے کہ انیسؔ کے مرثیوں کی ایک ایسی جلد پیش کر دی جائے جو کم سے کم وقت میں اچھی ذاکری کے تقاضے، پورا کرتی ہوئے مرثیوں کی اہم خصوصیات سے بھی ہمیں آگاہ کر دے اور لوگوں میں مرثیوں کی طرف از سرِ نو دلچسپی بھی پیدا کر دے۔ ایک بار جب لوگ اِن مجلسوں میں دلچسپی لینا شروع کر دیں گے تو وہ خود ہی انیسؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کرنے لگیں گے اور ایسی مجلسوں میں بھی دلچسپی لینا شروع کر دینگے جہاں انیسؔ کے پورے کے پورے مرثیے پڑھے جائیں۔

اِن تمام امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ انتخاب ہمارے خیال میں وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کرتا ہے۔ اگر ہم اپنے مقاصد میں آپ کو کامیاب نظر آئیں تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری یہ کوششِ رائیگاں نہیں گئی۔ "بزمِ انیسؔ" نے بہر حال ایک بنیاد رکھ دی ہے جس پر بعد میں عالی شان عمارتیں تعمیر کی جا سکتی ہیں۔

سکریٹری
"بزمِ انیس" کراچی

پیش گفتار

(رئیس امروہوی)

دنیا کی جوش انگیز اور انقلابی شاعری. جو لاکھوں انسانوں اور اَن گنت نسلوں کی روح اور لاشعور کی آواز بن جائے "عقیدے" کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتی۔ عقیدے کی نوعیت سے بحث نہیں. صرف اس کی شدت اور تاثیر سے بحث ہے کیونکہ یہ عقیدہ ہی ہے جو شاعر کی تخلیقی قوتوں کو جگاتا اور لاشعور کے جذباتی طوفان کو ایسی انقلابی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے کہ سب مبہوت اور متحیر رہ جاتے ہیں. ہر خطہ ارض کے بڑے قومی اور تہذیبی شاعر مثلاً ہومر. ورجل ڈانٹے. ملٹن. ویاس. والمیک. تلسی داس اور فردوسی. اپنے اپنے دائروں میں کسی ایسے جوش انگیز عقیدے سے سرشار تھے جس نے اُن کے ذہن کی تمام توانائیوں اور نفس کی تمام نکتہ آرائیوں کو تخلیق کے ایک نقطے پر مرکوز کر دیا تھا اس طرح انھوں نے ایسی عجیب و غریب نظمیں دنیا کے سامنے پیش کیں جن کا شمار عالمی ادب عالی میں ہوتا ہے۔ یہاں ایک چیز سمجھ لینی ضروری ہے. عقیدے کی جوش انگیز اور انقلابی شاعری سے ہمارا مطلب وہ نظمیں. وہ رزمیے. وہ مرثیے

اور وہ ڈرامے ہیں جن کا تعلق خاص طور پر کسی قوم کی تہذیبی. اخلاقی اور دینی روایات اور عام طور پر نوعِ انسانی کی مجموعی، تہذیبی اور روحانی قدروں سے ہوتا ہے. بے شک امراء القیس. شیکسپیر اور حافظ بھی دنیا کے عظیم ترین شاعروں کی صف میں شامل ہیں. لیکن ان کی شاعری کا کوئی مخصوص قومی اور دینی پس منظر نہیں اور نہ وہ تاریخ کے کسی خاص واقعے اور تہذیب کی کسی ممتاز قدر کی نمائندگی کے مدعی ہیں. ان کی شاعری محض انفرادی احساسات اور شاعر کے اپنے لاشعوری تجربوں پر مشتمل ہے. یہ اور بات ہے کہ حافظ و سعدی کا ذہنی تجربہ. سارے انسانوں کا ذہنی تجربہ بن جائے (اور واقعی بن گیا ہے).
لہٰذا جب بھی ہم "انیس" کی شاعری اور ان کی شاعرانہ حیثیت کو زیرِ بحث لائیں تو پہلے انیس کے شاعرانہ کردار اور فارسی اور اُردو کے دوسرے شعرا کے درمیان واضح حدِ فاصل کھینچ دینی چاہیے. بے شک میر انیس بھی پوری نوعِ انسانی کے شاعر ہیں. لیکن وہ اِس منزل تک کربلا کی قتل گاہ سے پہنچے ہیں انیس کی شاعری میں محبت. شرافت. صداقت. سرفروشی. ایثارِ حق. رحم ظلم. شقاوت. باطل پرستی اور خود پرستی کے متضاد جذبات. ایک خاص واقعے کے تاثر سے مرتفع یا منتقل ہو کر آئے ہیں اور اس طرح ان کی حیثیت انفرادی سے زیادہ اجتماعی ہو گئی ہے اسی لئے تاریخ ساز بھی۔ تاریخ کسی قوم کے جذباتی عمل و ردِ عمل کا نام ہے اور کون نہیں جانتا کہ انیس کی شاعری نے لاکھوں انسانوں کی جذباتی تشکیل میں کیسا اَن مٹ اور انمول حصہ لیا ہے.

میر انیسؔ نے حق و باطل کے جس واقعے کو اپنی تخلیقی قوتوں کا مرکزی نقطہ بنایا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے انسانی تاریخ کا عدیم المثال واقعہ ہے یعنی کربلا کا خونچکاں حادثہ۔ جس میں واضح طور پر مختلف و متضاد کردار اور منفی و مثبت سیرتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی اور اپنے تصادم سے ایک ایسے عالم گیر المیے کو جنم دیتی ہیں۔ جو نسلوں۔ علاقوں۔ زمانوں اور قوموں کی حدود سے بلند تر ہو کر مجموعی انسانی ضمیر کا باقی و جاوید روحانی ورثہ بن گیا ہے۔ انیسؔ یا دنیا کا کوئی بھی شاعر خواہ وہ کتنا ہی افسانہ طراز اور مبالغہ پسند کیوں نہ ہو۔ حادثاتِ کربلا کی جامعیّت و عظمت میں محض اپنے مطلق العنان تخیل اور جادو نگار قلم سے ایک نقطے اور نکتے کا بھی اضافہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ واقعہ۔ بجائے خود انسانی عمل اور ذہنی جذبے کے اُس اعلےٰ ترین معیار کا حامل ہے۔ جس سے بلند تر معیار کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ میر انیسؔ نے واقعۂ کربلا کو (جس کی عظمت اور تاریخی اہمیت نیز جذباتی شدّت۔ محتاجِ بیان نہیں) اپنی شاعری کے ذریعے پیش کس طرح کیا ہے؟

اُردو شعر میں مرثیے کی روایت قدیم ترین روایت ہے۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت ایک طرح اردو میں منظم شاعری کا آغاز ہی مرثیہ گوئی سے ہوا چنانچہ دکنی ادبیاتِ اُردو کا قدیم ترین حصّہ مرثیوں اور نوحوں پر ہی مشتمل ہے لیکن قدیم اردو کے اِن مرثیوں کی ادبی حیثیت ابھی تک متعیّن نہیں ہوئی حقیقت یہ ہے کہ مرثیے کی ادبی حیثیت کا تعیّن ابتدائی طور پر خلیق و ضمیر

اور بعد کو انیس و دبیر نے کرایا ہے اور بلا شبہ مرثیہ گویانِ اہلِ بیت کے قافلہ سالار اردو زبان وادب میں میر انیس ہی ہیں۔ انیس نے واقعۂ کربلا کو جس تاثر، جس خلوص، جس قدرتِ بیان اور گہری نفسیات شناسی سے پیش کیا ہے۔ نہ صرف اردو۔ بلکہ دُنیائے اسلام کی کسی زبان (عربی۔ فارسی اور ترکی) میں اس کا جواب نہیں مل سکتا۔

یہ مجموعہ۔ جو آپ کے پیشِ نظر ہے۔ انیس کے منتخب مرثیوں کے چُنے ہوئے اقتباسات سے مرتب و مدوّن کیا گیا ہے۔ ان اقتباسات سے انیس کی شاعرانہ عظمت مرثیہ گو کی حیثیت سے ان کی انفرادیت اور حق و باطل کے مختلف پہلوؤں کی نقاب کشائی کے اعتبار سے ان کی تخلیقی ذہانت۔ غرض ہر وہ خصوصیت نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے جس نے انیس کو دنیا کے بڑے شاعروں کے، چند بڑوں میں شامل کر دیا ہے۔

اردو زبان وادب کو انیس کی زبان اور انیس کے قلم نے کیا کچھ دیا ہے کوئی ہے جو اس "دین" سے انکار کرے؟

اس کے علاوہ وہ حسینی تبلیغ کے ایسے موثر ترجمان ہیں جس کا ایک مصرع دوسروں کی عبارتوں پر بھاری ہے۔ جس طرح حسینؑ فقط مسلمانوں کے حسینؑ نہیں بلکہ انسان کی تمام اگلی پچھلی۔ موجودہ اور آنے والی نسلوں کے ہیرو ہیں۔ اسی طرح انیس بھی کسی ایک جماعت، کسی ایک ملک، کسی ایک عہد اور کسی ایک طرز کا شاعر نہیں۔ بلکہ وہ

اپنی شاعرانہ شخصیت میں عالمی ادب کے بہترین جواہر پاروں کو اور انسان کی شاعرانہ جبلّت کی اعلیٰ ترین خصوصیات کو سمیٹے ہوئے ہے ہمیں امید ہے کہ مراثیِ انیس کا زیرِ نظر منتخب مجموعہ اُن بہت سے مجموعوں کا پیش خیمہ ثابت ہوگا جن کے ذریعے اردو مرثیے کے اعلیٰ ترین شاہکار پیش کئے جائیں گے۔

رئیس امروہوی

۵ مئی ۶۳ء

میر انیس کی دُعا اور تعلّی وغیرہ

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
توفیض کا مبدا ہے توجّہ کوئی دم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پر تو سے نہ جائے
اقلیمِ سُخن میرے قلم رُو سے نہ جائے

اِس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے، یا حضرتِ باری
پھل ہم کو بھی مِل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بُو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا، نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہو نبی سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلّم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسنِ بیاں کو
تحسین کا سمٰوٰت سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوشہ بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے بِلا دوں
ذرّے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گُلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر
کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلیں جام
جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایّام
صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو مے خانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آ گئی ہے خلدِ بریں سے

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبع اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائیں عدو، آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہو صفت آرا صفتِ لشکرِ جرّار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار
مَد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غُل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رَن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہر ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
عالم کو دکھا دے برِشِ سیفِ الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی
لاریب ترے نام پہ ہے سکّۂ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

مجرم ہوں کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
بھولے سے کبھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمرا کی نہیں میں نے
تقلیدِ کلامِ جہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امامِؑ ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت پہ علیؑ کی

تائید کا ہنگام ہے یا حیدرِ صفدر
امداد ترا کام ہے یا حیدرِ صفدر
تو صاحبِ اکرام ہے یا حیدرِ صفدر
تیرا ہی کرم عام ہے یا حیدرِ صفدر
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بکف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں میں ایک طرف ہوں

ناقدریٔ عالم کی شکایت نہیں مولا
کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

نیک و بدِ عالم میں تامل نہیں کرتے
عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کے لئے رُخ طرفِ گل نہیں کرتے
تعریفِ خوش الحانیٔ بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خزف کو
دُر کو تو گھٹاتے ہیں، بڑھاتے ہیں صدف کو
اندھیر یہ ہے چاند بتاتے ہیں کلف کو
کھو دیتے ہیں شیشے کے لئے دُرِ نجف کو
ضائع ہیں دُر و لعل، بدخشان و عدن کے
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

ہے لعل و گہر سے یہ دُہن کانِ جواہر
ہنگامِ سخن کھلتی ہے دُکانِ جواہر
ہیں بند مرصع تو ورق خوانِ جواہر
دیکھے اسے، ہاں ہے کوئی خواہانِ جواہر
بینائے رقومات ہنر چاہیئے اس کو
سودا ہے جواہر کا، نظر چاہیئے اس کو

کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار
ہر وقت جو اس جنس کے رہتے ہیں طلبگار
اب ہے کوئی طالب نہ شناسا نہ خریدار
ہے کون؟ دکھائیں کسے، یہ گوہرِ شہوار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گر آج
ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج
اے باعثِ ایجادِ جہاں، خلق کے سرتاج
ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندہ محتاج
اُمید اسی گھر کی، وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری، یہی توشہ ہے سفر کا

میں کیا ہوں، مری طبع ہے کیا اے شہِ شاہاں
حسّان و فرزدق ہیں یاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

○

○

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اُڑ گیا جب رنگ رُخ سے استخواں پیدا ہوئے

ہات خالی آئی، لاشوں پر شہیدوں کی نسیم
پھول بھی اس فصل میں لیسے گراں پیدا ہوئے

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی، نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

ضبط دیکھو سب کی سُن لی، پر نہ کچھ اپنی کہی
اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

احتیاطِ جسم کیا، انجام کو سوچو انیس
خاک ہونے کو یہ مشتِ استخواں پیدا ہوئے

مجلس اور شیعوں کے متعلق

مجلس کا ز ہے نور خوشا محفلِ عالی
حیدرؑ کے محبّوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اُس کے جو ہے کونین کا والی
اثنا عشری، پنجتنی، شیعۂ غالی
ششدر نہ ہو کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہے
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

کیا اوج ہے کیا رُتبہ ہے اس بزمِ عزا کا
غل عرش سے ہے فرش تلک صلّ علیٰ کا
مشتاق ہے فردوس بریں یاں کی فضا کا
پانی میں بھی یاں کے ہے مزا آبِ بقا کا
دربارِ معلّیٰ ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض حسینؑ ابنِ علیؑ کا

مُہلت جو اَجل دے تو غنیمت اسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ سعادت اسے جانو
آنسو نِکل آئیں تو عبادت اسے جانو
ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اسے جانو

فاقے گئے ہیں، دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمہارے لئے کیا ظلم سہے ہیں

تکلیف کچھ ایسی نہیں، سایہ ہے، ہوا ہے
پانی ہے خنک، مروحہ کش بادِ صبا ہے
کچھ گرمیٔ عاشور کا بھی حال سُنا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے، ہنگامِ عزا ہے

گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہؑ دیں پر
بھُن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

مردم کے لئے واجبِ عینی ہے یہ زاری
رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
ہے وقت معیّن پہ ادا طاعتِ باری
یہ خیر ہے وہ خیر، جو ہر وقت ہے جاری

رولو! کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام
خوش ہو کے عوام اُٹھیں تو پھر اس میں ہے کیا نام
دانا کو یہ لازم ہے کہ عائد نہ ہو الزام
کیا لطف کہ آغاز کا بہتر نہ ہو انجام
جلسہ نہیں، مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے
یاں رونے کی لذّت ہے رُلانے کا مزہ ہے

قدسی کو نہیں بار، یہ دربار ہے کس کا
فردوس کو ہے رشک، یہ گلزار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے یہ بازار ہے کس کا
خود بکتا ہے یوسف، یہ خریدار ہے کس کا
ملتی ہے کہاں مفت متاعِ حَسَن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

ان میں جو مُسن ہیں وہ پیمبرؐ کے ہیں مہماں
اور جو متوسّط ہیں وہ حیدرؑ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں علی اکبرؑ کے ہیں مہماں
شیعوں کے پسر سب علی اصغرؑ کے ہیں مہماں
سب خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مَدَنی ہیں
پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

ارشادِ نبیؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے!
فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ غمخوار ہیں میرے
حضرت کا سُخن ہے کہ عزادار ہیں میرے
میں ان کا ہوں طالب یہ طلبگار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

منظور ہمیں شیعوں کی ہے عقدہ کشائی
عباسؑ کو روئیں گے جو مر جائے گا بھائی
ہوگی جو کسی باپ کی بیٹے سے جُدائی
دھیان آئے گا اکبرؑ نے سناں سینے پہ کھائی
جب اپنے پسر کے لئے فریاد کریں گے
وہ داغ کلیجے کا مرے یاد کریں گے

فرزندِ صغیر ان کا تلف ہوگا کوئی گر
ہیں دوست مرے، یاد کریں گے غمِ اصغرؑ
ہوجائے گی بیوہ جو کسی شخص کی دُختر
کبرا کے رنڈاپے پہ وہ روئے گا مکرر
بھولیں گے مرے غم میں اَلم خویش و پسر کا
مرہم یہی اِن لوگوں کے ہے زخم جگر کا

غم میں مرے بچّوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد
اللہ سلامت رکھے اِن لوگوں کی اولاد
بستی مرے شیعوں کی رہے خلق ہیں آباد
یہ حشر کے دن آتشِ دوزخ سے ہوں آزاد
مرتا ہے کوئی گر تو بُکا کرتا ہوں میں بھی
ان کے لئے بخشش کی دُعا کرتا ہوں میں بھی

فردوس کے میوے مری اُلفت کے ثمر ہیں
گلگشت کو جنّت کے چمن پیشِ نظر ہیں
اِن سب کے دلِ پنجتنِ پاک میں گھر ہیں
شیعوں کے لئے حشر میں ہم سینہ سپر ہیں
اس معرکے میں عیش و نشاط ان کیلئے ہے
نے خوفِ جہنم، نہ صراط ان کے لئے ہے

ہے وقتِ دعا حق سے انیس اب تو دعا کر
جو حاجتیں ان لوگوں کی ہیں ان کو رَوا کر
ان تعزیہ داروں پہ تو الطاف و عطا کر
مقروض جو مومن ہیں تو قرض ان کے ادا کر
محتاج نہ ہوں تیرے سوا اور کسی کے
اور حشر میں ہوں ساتھ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

○

مرا رازِ دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں، نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں، جس میں شرارا نہیں

وہ گُل ہوں، جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بُو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

پھرے دوست، جب ہوگئی قبر بند
کھُلا اُب کہ کوئی ہمارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

دُنیا

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروّت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے دَرد و اَلم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

اے مومنو! مصروف رہو یادِ خُدا میں
جینے کا بھروسہ نہیں اِس دارِ فنا میں
اوقات کرو صَرف عزائے شہدا میں
سرگرم رہو نالہ و فریاد و بُکا میں
غافل نہ رہو مل جائے جو وقفہ کوئی دم کا
نزدیک ہے دنیا سے سفر ملکِ عدم کا

اِس منزلِ فانی میں دل اپنا نہ لگاؤ
اُلفت نہ کرو اُس سے جسے چھوڑ کے جاؤ
یہ عاریتی جا ہے یہاں گھر نہ بناؤ
پابندیٔ دنیا سے بس اب ہات اُٹھاؤ
چلتے ہوئے ہرگز کوئی کام آ نہ سکے گا
ہمراہ کچھ اسبابِ جہاں جا نہ سکے گا

یاں رختِ اقامت کا سرانجام ہے بے جا
اِس منزلِ پرخوف میں آرام ہے بے جا
عقبیٰ کے سوا یاں کا ہر اک کام ہے بے جا
مانندِ نگیں آرزوئے نام ہے بے جا
سینے میں یہ دم مثلِ چراغِ سحری ہے
کر لو عملِ خیر یہی ناموری ہے

اُمّید نہیں جینے کی یاں صبح سے تا شام
ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشیدِ لبِ بام
یاں کام کرو ایسے کہ آئے جو وہاں کام
آ پہنچے خدا جانیے کب موت کا پیغام
اپنی نہ کوئی ملک، نہ املاک سمجھنا
ہونا ہے تمہیں خاک یہ سب خاک سمجھنا

دنیا میں سدا ایک سا رہتا نہیں احوال
ادبار ہے انساں کا کبھی اور کبھی اقبال
اندوختہ کرتے جسے لگتا ہے مہ و سال
آجاتا ہے وہ غیر کے قبضے میں زر و مال

خالی رہیں گے بعدِ فنا ہات تمہارے
کچھ جمع ہوا ایسی کہ چلے ساتھ تمہارے

بھائی نہ تو کام آئے گا اس وقت نہ فرزند
عرصہ نہیں کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
وہ کام کرو جس سے خدا ہووے رضامند
ہشیار کہ ہونا ہے تمہیں خاک کا پیوند

پیری کی بھی مدّت ہے جوانی کی بھی حد ہے
آرام گہہِ شاہ و گدا کنجِ لحد ہے

ہیں زیرِ زمیں صاحبِ تخت و علم و تاج
جو صاحبِ نوبت تھے نشاں اُنکے نہیں آج
جو شاہ کہ شاہوں سے سدا لیتے رہے باج
وہ بعدِ فنا آپ کفن کے رہے محتاج

درویش و غنی اس کے ہمیشہ رہے شاکی
بتلاؤ کہ دنیا نے کسی سے بھی وفا کی؟

کیا سخت گھڑی ہو گی اُجل آئے گی جب دم
کھنچ کھنچ کے ہر اک رگ سے نکلنے لگے گا دم

کیا دیکھیں گے ایک ایک کو حسرت سے بصد غم
اتنی بھی زباں ہل نہ سکے گی کہ چلے ہم

سب کے لئے اک روز یہ تکلیف دُہری ہے
اس پر بھی یہ غفلت ہے عجب بے خبری ہے

بھائی نہیں اپنے ہیں، نہیں ہے پسر اپنا
بیگانے ہیں سب ہووے گا جس دم سفر اپنا

نے مال نہ اسباب نہ زیور نہ زر اپنا
دو گز ہے کفن، قبر کا گوشہ ہے گھر اپنا

کچھ ساتھ بجز بیکسی و یاس نہ ہوگا
رہ جائیں گے سب دُور، کوئی پاس نہ ہوگا

اس زلیست پہ پھولو نہ اجل کو بھی کرو یاد
گھر سینکڑوں یاں سیلِ فنا نے کئے برباد

دنیا میں عمارت نہ بنا کر ہو کوئی شاد
اس قالبِ خاکی کی عجب سُست ہے بنیاد

کل اَوج پہ جو لوگ تھے وہ زیرِ زمیں ہیں
ہے خاک کا ڈھیر اب نہ مکاں ہیں نہ مکیں ہیں

کس کس گُلِ رنگیں کی نہ اِس باغ میں تھی دُھوم
اک آن میں شبنم کی طرح ہو گئے معدوم
دِکھلا رہی ہے رنگ عجب ہستیِ موہوم
کیا قصد ہے گُل چینِ اجل کا نہیں معلوم
اِس باغ میں جس سَرو کو دیکھا تو رَواں ہے
جس گُل پہ بہار آج ہے، کل اُس پہ خزاں ہے
دنیا یہ سدا عبرت و اندیشے کی جا ہے
یاں کیسا مقام، آٹھ پہر کوچ لگا ہے
جاتے ہیں چلے، مرگ کا دروازہ کھُلا ہے
رہ جائے نہ کوئی، یہی آوازِ درا ہے
ہے راہ کڑی، زادِ سفر پاس نہیں ہے
منزل پہ پہنچنے کی ہمیں آس نہیں ہے
دستور ہے، توشۂ سفری لینا ہے ہمراہ
عصیاں کے سوا پاس ہمارے نہیں کچھ آہ
جانا تو مصمّم ہے، پہ دھڑکا ہے یہ واللہ
نے راہ سے آگاہ، نہ منزل سے ہے آگاہ
یاں ایک اِس اُمید پہ دل اپنا قوی ہے
رہبر جو ہمارا ہے حسینؑ ابنِ علیؑ ہے!

۷

ضبطِ گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جُھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں

کارِ ذاتی میں ہیں عاجز پاک بازانِ جہاں
گرد اپنے مُنہ کی، پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرت وہ مشرق میں کہ مغرب میں مریں
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

شاہ کہتے تھے، یہ دنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں، اور باپ رو سکتا نہیں

نظم ہے یہ یا دُرِ شہوار کی لڑیاں؟ انیسؔ!
جوہری بھی اِس طرح موتی پرو سکتا نہیں

رسولِ خدا

○

فخرِ ملک و اشرفِ آدم ہے محمدؐ
اکلیلِ سرِ عرشِ معظّم ہے محمدؐ
حقّا کہ خداوندِ دو عالم ہے محمدؐ
آخر ہے مگر سب سے مقدّم ہے محمدؐ
ایسا کوئی محرم نہیں اسرارِ احد کا
حال اُس سے ہے پوشیدہ ازل کا نہ اَبد کا

مختارِ زمیں، باعثِ افلاک نبیؐ ہے
والا گہرِ قلزمِ لولاک نبیؐ ہے!
مصباحِ حریمِ حرمِ پاک نبیؐ ہے
شیرازۂ مجموعۂ ادراک نبیؐ ہے
عالم میں وہ آیا تھا، پہ دل سُوئے خدا تھا
حق اُس کا رضاجُو، وہ رضاجوئے خدا تھا

بے سایہ جو مشہور وہ سلطانِ عرب ہے
پیشِ عقلا وجہ یہ ہے، اور یہ سبب ہے
ہے کون عدیل اس کا کہ وہ سایۂ رب ہے
دنیا میں کسی سائے کا سایہ کہو کب ہے؟
ہے دوسری یہ وجہ کہ وہ جانِ جہاں تھا
بے سایہ ہے جاں، جاں کی طرح سایہ نہاں تھا

پہلے کیا جس چیز کو اللہ نے پیدا
لکھا ہے کہ وہ نورِ جنابِ نبویؐ تھا
دس سو برس اُس دن سے وہ نورِ شہہِ والا
استادہ رہا روبروئے خالقِ یکتا
گہہ حمد و ثنا، گہہ صفتِ قدرتِ حق تھی
اُس نور پہ ہر دم نظرِ رحمتِ حق تھی

اُس نور کو دو حصے کیا حق نے برابر
اور پھر کئے ہر حصے کے دو حصے مکرر
دو ٹکڑوں سے مخلوق ہوئے احمدؐ و حیدرؑ
پیدا ہوئے دو حصوں سے سبطینِ پیمبرؐ
زہراؑ کو پھر اس نور سے تنہا کیا پیدا
یوں پنجتنِؑ پاک کا نقشا کیا پیدا

اللہ نے رُتبے تو محمدؐ کو یہ بخشے
ہیں سارے رسولوں سے زیادہ شرف اُنکے
ہر چند کہ سب موردِ آفات و بلا تھے
پَر ایسے مصائب بھی کسی نے نہیں دیکھے
کیا کیا نہ دیئے رنج اُنھیں اہلِ جفا نے
آرام نہ پایا کبھی محبوبِ خدا نے
پہلی تو مصیبت یہ ہے شاہِ دوسرا کی
تھے بطن میں مادر کے کہ والد نے قضا کی
جس دم چھ برس کے ہوئے قدرت سے خدا کی
مادر نے بھی لی راہ گلستانِ بقا کی
دو صدمے ہوئے دردِ یتیمی کے جگر پر
دادا کے سوا کوئی نہ باقی رہا سر پر
بن باپ کے فرزند کا تھا پالنا مشکل
دادا رہا ہر امر میں پوتے کا مکفّل
جب آٹھ برس کا ہوا وہ سرورِ عادل
دادا کو بھی درپیش ہوئی گور کی منزل
پھر راحت و آرام کی صورت کہو کیا تھی
تنہائی کی آفت تھی، یتیمی کی بلا تھی

کرتا تھا فرشتوں کو ندا خالقِ اکبر
محبوبؐ مرا گرچہ ہے بے والد و مادر
ہر آن حفاظت کے لئے ہیں تو ہوں ہر پر
بھیجو صلوٰت اور سلام اُس پہ مکرّر
حاجت ہے محمدؐ کو نہ مادر نہ پدر کی
ہوتی ہے یتیمی سے فزوں قدر گہر کی

خالق کو یہ توقیر تھی جس شاہؐ کی منظور
چالیس برس اس کو ستاتے رہے مقہور
جب حق نے کیا دعوتِ اسلام پہ مامور
بس دشمنِ جاں ہو گئے سب کافر و مغرور
راحت نہ ملی بادشہِ جن و بشر کو
ہر اک نے کسا قتلِ محمدؐ پہ کمر کو

تنگ آن کے اُس شاہ نے کی کعبے سے ہجرت
تو بھی نہ ملی ہات سے مظلوموں کے راحت
ہشتاد سہ بار اُن سے لڑے اہلِ شقاوت
منظور تھا گر دیجئے گل شمعِ رسالتؐ
بے دینوں نے کی سخت بدی شاہِ اُممؐ سے
توڑا دُرِ دندانِ نبیؐ سنگِ ستم سے

جس وقت ہوا کفر و ضلالت سے جہاں پاک
اور دور ہوا گلشنِ دیں سے خس و خاشاک
رونے کی ہے جا، سینے میں ہوتا ہے جگر چاک
بیمار مدینے میں ہوئے سیّدِ لولاک ؐ
اِک بار خزاں آ گئی ہستی کے چمن میں
طاقت نہ رہی بیٹھنے اُٹھنے کی بدن میں

حیدرؑ کو کبھی دیکھ کے پاس اپنے بُلاتے
کس پیار سے داماد کو چھاتی سے لگاتے
پہلو میں کبھی دونوں نواسوں کو بٹھاتے
کچھ سوچ کے منہ چومتے اور اشک بہاتے
فرماتے تھے دونوں پہ فدا جانِ محمدؐ
پژمردہ ابھی سے ہیں یہ ریحانِ محمدؐ

رو رو کے پیمبرؐ نے کہا صدقے میں تم پر
خالق نے بلایا ہے، تامّل کروں کیوں کر
غم میں مِرے دے صبر تمہیں خالقِ اکبر
ناچار ہے، کیوں کر تمہیں لے جائے پیمبرؐ
فرزند تلک باپ کے کام آ نہیں سکتا
اس راہ میں ہمراہ کوئی جا نہیں سکتا

سُن کر یہ سخن شور ہوا رونے کا برپا
بستر پہ ہوئے راست شہِ یثرب و بطحا
نزدیکِ محمدؐ ملک الموت بھی آیا
فرمانِ خدا فوجِ ملائک کو یہ پہنچا
نزدیک سواری ہے رسولِؐ عربی کی
صف باندھ کے تعظیم کرو روحِ نبیؐ کی

وہ آتا ہے جو عاشقِ صادق ہے ہمارا
وہ آتا ہے جس کے لیے عالم کو سنوارا
وہ آتا ہے جو عرشِ معلّے کا ہے تارا
وہ آتا ہے جو سب سے بہت ہے ہمیں پیارا
ہنگام تلطف ہے مدارات کا دن ہے
معشوق سے عاشق کی ملاقات کا دن ہے

سکّانِ سماوات کو واں پہنچا یہ احکام
اور قابضِ ارواح نے یاں اپنا کیا کام
بیت الشرف فاطمہؑ میں پڑ گیا کہرام
کانپ اُٹھی زمیں ہل گئے مسجد کے در و بام
فریاد گئی عرش تلک شیرِ خدا کی
کونین میں غُل تھا کہ محمدؐ نے قضا کی

حضرت علیؑ کی ولادت

○

عرشِ خدا مقام جنابِ امیرؑ ہے
کرسی بھی تختِ بامِ جنابِ امیرؑ ہے
مسطورِ لوح، نامِ جنابِ امیرؑ ہے
آیاتِ حق کلامِ جنابِ امیرؑ ہے
ایسا کسی کو خلق میں رُتبہ ملا نہیں
ساری خدا کی شان ہے لیکن خدا نہیں

عالم میں مرتضیٰؑ کی ولادت کی دھوم ہے
کعبے کے گِرد قدسیوں کا، اِک ہجوم ہے
غُل تہنیت کا، شام سے تا بہ رُوم ہے
کس دبدبے سے آمدِ بابِ علُوم ہے
ارکانِ کعبہ راست ہیں، تعظیم کے لئے
محراب خم ہے، شاہ کی تسلیم کے لئے

ہر چند تھے مقرب حق اور بھی نبیؑ
پیدا ہوا نہ تھا کوئی اس جا بجز علیؑ
عیسیٰؑ کی والدہ کو نہ مطلق رضا ملی
بنتِ اسد کو پر ہوا فرمانِ ایزدی
کب رُتبہ تھا یہ اور پیمبرؐ کے واسطے
دیوارِ کعبہ شق ہوئی حیدرؑ کے واسطے

اللہ رے وقار، زہے عزّ و احتشام
دنیا میں خلق ہونے کا پایا عجب مقام
رونق فزائے کعبہ ہوا جب کہ وہ امامؑ
طاقوں سے کانپ کانپ کے بُت گر پڑے تمام
ہر پا نشانِ کفر جو تھا، دور ہو گیا
کعبہ خدا کے نور سے معمور ہو گیا

آیا خدا کے گھر میں جو وہ غیرتِ قمر
تھا شور تہنیت کا ملائک میں عرش پر
تھے پرتوِ جمال سے تابندہ بام و در
ہر سنگ بن گیا تھا وہیں آئینے کا گھر
ضَو اس قدر تھی حسنِ علیؑ کے ظہور کی
روشن تھا طورِ کعبہ تجلّی سے نور کی

پیدا ہو جس مقام پہ شاہنشہ نجفؑ
کس طرح اس زمیں کو فلک پر نہ ہو شرف
مجرے کو سرنگوں تھی ملائک کی صف پہ صف
کیا دُر تھا، جس کا خانہ کعبہ ہوا صدف

حق ہے کہ قبلۂ دو جہاں وہ ولیؑ ہوا
اعلیٰ جو تھا، تو اسم مبارک علیؑ ہوا

گردوں پہ یک بہ یک جو ہوئی روشنی عیاں
اور ہو گئی دو چند ضیائے ستارگاں
گھبرا کے تب یہ کہنے لگے ساکنِ جہاں
کچھ تازہ حادثہ ہوا بالائے آسماں

آئی ندا یہ حسنِ علیؑ کا ظہور ہے!
آدم سے پہلے خلق ہوا جو، وہ نور ہے

پیدا ہوا ہے آج دو عالم کا پیشوا
زیبا ہے جس کے جسم پہ تشریفِ انما
دستِ خدا، امیرِ عرب، شاہِ لافتا
بابِ فتوح، قوتِ بازوئے مصطفےٰ

جانِ یقیں ہے، زہد و ورع میں وحید ہے
گنجینۂ علومِ خدا کی کلید ہے

بوئے علیؑ جو لے کے گئی خلد میں نسیم
بھولے سمانے تھے نہ گلِ جنّت النّعیم
کوثر کے لب سے آئی صدا شکر اے کریم
پیدا کیا جہان میں تو نے مرا قسیم
پوری ترے کرم سے ہوئی آرزو مری
پہلے سے اب دو چند ہوئی آبرو مری

اُس روز کے جلوس کا ہو کس طرح بیاں
جس روز کی خوشی کرے خلّاقِ دوجہاں
افلاک سے ملک چلے آتے تھے شادماں
غرفوں سے حوریں تکتی تھیں کعبے کو ہر زماں
حُبِّ علیؑ کا چشمۂ کوثر کو جوش تھا
فرمانِ حق سے شعلۂ دوزخ خموش تھا

مصروفِ اہتمام تھیں ارواحِ انبیا
پلکوں سے کر رہے تھے ملک کعبے کو صفا
گُلدستہ خواں لئے حاضر خلیلؑ تھا
عیسیٰؑ طبق میں لائے تھے واں بھر کے مائدا
موسیٰؑ عصا لئے صفتِ دُور باش تھا
زم زم سے صحنِ کعبہ میں خضرؑ آب پاش تھا

رُوح القدس کو پہنچا یہ فرمانِ ایزدی
مژدہ مرے حبیبؐ کو دے جا کے اس گھڑی
گھر میں ہمارے آج تولّد ہوا علیؑ
ہم ہیں خوشی تجھے بھی مبارک ہو یہ خوشی
سِرّ خفی جو تھا، اُسے ہم نے جلی کیا
بھائی تجھے دیا، ترا بازو قوی کیا

بھیجا ہے اس کو تیری حفاظت کے واسطے
پیدا کیا ہے اس کو ہدایت کے واسطے
کافی ہے اس کا زورِ حمایت کے واسطے
ہے یہ دلیل تیری رسالت کے واسطے
برپا نشانِ دیں ہو، عَلَم ذوالفقار ہو
نزدیک ہے کہ دینِ خدا آشکار ہو

روح الامیں یہ سُن کے چلے واں سے شاد کام
آئے خوشی سے پیشِ رسولؐ ذوالاحترام
دی تہنیت یہ حق کی طرف سے پس از سلام
پیدا ہوا علیؑ وَلی، شاہِ خاص و عام
سُن کر، خوشی ہوئی یہ شہِ سرفراز کو
پس رکھ دیا زمیں پہ جبینِ نیاز کو

سجدے سے سر اٹھا کے کہا، شکر اے کریم!
کی مجھ شکستہ دل کی کمر تو نے مُستقیم
بے یار و بے رفیق تھا میں بیکس و یتیم
بھائی مجھے نہیں دیا، دی دولتِ عظیم
ہیں کارسازیاں تری باہر بیان سے
اِن نعمتوں کا شکر کروں کس زبان سے

فرما کے یہ کلام، شہنشاہِ انبیاءؐ
آغوش کھولے دوڑے سوئے خانۂ خدا
پہنچے جو شاد شاد تو واں دیکھتے ہیں کیا
شیرِ خدا ہے سجدۂ معبود میں جُھکا
نورِ خدا سے کعبے میں رونق دوچند ہے
بانگِ اذان و صوتِ اقامت بلند ہے

○

حضرتِ علیؑ کی شہادت

○

ظاہر علیؑ کی ذات سے ہے قدرتِ خدا
بازوئے مصطفٰےؐ ہے درِ رحمتِ خدا
یعسوبِ دیں، امیرِ عرب، حجّتِ خدا
شیرِ خدا پہ ختم ہوئی طاعتِ خدا
قیمت نہ دے سکا کوئی جس کی حجاز میں
سائل کو بخش دی وہ انگوٹھی نماز میں

ہے وہ کلیمِ عرشِ بریں جس کا طور ہے
خورشیدِ دیں ہے، ایمن ایماں کا نُور ہے
ہر سمت ذاتِ پاک کا اُس کی ظہور ہے
جو ہے علیؑ سے دور، وہ رحمت سے دُور ہے
ہے راست پر وہی جسے حیدرؑ سے راہ ہے
حبِ علیؑ نہ ہو تو عبادت گناہ ہے

تھا فضلِ حق سے مظہرِ اعجاز وہ امام
خورشید شاہ بار ہوا اُن سے ہم کلام
جو صبح سے زمیں پہ گزرتا تھا تا بہ شام
کہتی تھی بوتراب سے شب کو خبر تمام
اعجازِ عیسوی، کئی باری دکھا دیئے
تھا یہ اثر زباں میں کہ مُردے جِلا دیئے

فرمانروائے خلق تھا ہر چند وہ امام
لیکن نمک سے کھاتے تھے نانِ جویں مُدام
بھوکوں کو کھانے دیتے تھے جاری تھا فیضِ عام
کس لطف سے غریبوں سے ہوتے تھے ہم کلام
غم بیکسوں کے حال پہ کھانے سے کام تھا
بھوکوں کو آپ جاکے کھلانے سے کام تھا

جب اہلِ بیت سامنے کھانے کو لاتے تھے
لذت کے کھانے شیرِ خدا کو نہ بھاتے تھے
اِک قرص نانِ جَو سے زیادہ نہ کھاتے تھے
ہوتا کوئی مُصر تو یہ رو کر سُناتے تھے
اِس خوف سے ہے دل مرا بے تاب سینے میں
میں کھاؤں اور ہو کوئی بھوکا مدینے میں

پوشاک تھی نہ اور بجز کہنہ پیرہن
سو وہ بھی اس لئے تھا کہ ہو گا وہی کفن
ڈھانپا کبھی نہ قاقم و سنجاب سے بدن
یا انتظارِ مرگ تھا یا خوفِ ذوالمنن
جب خانۂ خدا میں عبادت کو جاتے تھے
مانندِ بید عضوِ بدن تھرتھراتے تھے

اے مومنو! شجاعتِ حیدرؑ کا تھا یہ حال
کامل تھا صبر و شکر میں وہ شاہِ باکمال
دنیا سے جب کہ اُٹھ گئے محبوبِ ذوالجلال
آزارِ مرتضیٰؑ کو لگے دینے بد خصال
کیا کیا نہ شیرِ حق پہ مصیبت گزر گئی
اعدا کے ظلم و جور سے زہراؑ بھی مر گئی

اس پر بھی ظالموں نے نہ کھینچا ستم سے ہات
گزری مہِ صیام کی اُنیسویں[۱۹] جو رات
مسجد میں مرتضیٰؑ گئے گھر سے پئے صلوٰۃ
قتلِ علیؑ کی گھات میں تھا اک زبوں صفات
پایا جو محو، بندگیٔ بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

اب پیٹنے کی جا ہے غلامانِ مرتضےٰؑ
آقا کی گوشِ دل سے مصیبت سنو ذرا
ایسا کریم، ایسا سخی، ایسا پیشوا
بے جرم حق کے سجدے میں مجروح ہو گیا
فرصت نہ دی نماز کی اس روزہ دار کو
نہلا دیا لہو میں شہِ ذوالفقار کو

سجدے میں شیرِ حق کا دو پارہ ہوا جو سر
اک بار کانپنے لگے مسجد کے بام و در
اُبلا لہو کہ ہو گئی محراب خوں سے تر
اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر
گردوں پہ جبرئیل پکارا غضب ہوا
سجدے میں حق کے قتل امیرِ عرب ہوا

پہنچی جو گوشِ حضرتِ زینبؑ میں یہ صدا
رو کر جنابِ شبرؑ و شبیرؑ سے کہا
جاؤ خدا کے واسطے مسجد میں تم ذرا
کہتا ہے کوئی قتل ہوا شاہِ لافتا
کس نے کیا شہید امامِ حجاز کو
بابا ابھی تو گھر سے گئے تھے نماز کو

یہ سُن کے دوڑے جانبِ مسجد حسنؑ حسینؑ
دیکھا کہ رو رہے ہیں نمازی بہ شور و شین
اور خوں میں اپنے لوٹتے ہیں شاہِ مشرقین
سر اپنا پیٹنے لگے زہراؑ کے نورِ عین
غم سے کلیجے دونوں کے سینوں میں پھٹ گئے
چلّا کے ہائے بابا کہا اور لپٹ گئے

گہ زخمی سر کو دیکھ کے کرتے تھے یہ بیاں
ٹوٹی بس اب ہماری کمر ہائے بابا جاںؑ
نانا ہمارے سر پہ نہ جیتے ہیں اور نہ ماں
جاویں گے جس طرف نہ ملے گی ہمیں اماں
بیٹوں کو قیدِ غم سے چھڑاؤ تو خوب ہے
ساتھ اپنے ہم کو لیتے ہی جاؤ تو خوب ہے

فریاد ہے کہ خانۂ زہراؑ ہوا تباہ!
زخمی کیا وصیِ محمدؐ کو بے گناہ
یہ کہہ کے لائے روتے ہوئے تا بہ خوابگاہ
حضرت کی آنکھیں بند تھیں کرتے تھے آہ آہ
خوں سے عبا تھی سُرخ، جراحت میں درد تھا
مانندِ زعفراں رُخِ پُر نور زرد تھا

اِک بار غش سے چونک کے بیٹوں سے یہ کہا
بغلوں میں ہات دے کے اُٹھاؤ مجھے ذرا
آئے ہیں میرے لینے کو جنّت سے مُصطفیٰؐ
یہ بات کہہ کے غش ہوئے پھر شاہِ لافتا
کچھ رات باقی تھی کہ جہاں سے گزر گئے
غل پڑ گیا کہ حیدرِ کرّار مر گئے

بس آگے اے انیسؔ نہیں طاقتِ رَقم
ہے اشک ریز صفحۂ قرطاس پر قلم
طاری ہے شیعیانِ علیؑ پر ہجومِ غم
کر تو دعا یہ حق سے کہ جبتک ہے دم میں دم
جاری زبان پر نہ کوئی اور حرف ہو
مداحیِ علیؑ میں مری عمر صرف ہو

۰

جنابِ فاطمہ زہراؑ

مہرِ سپہرِ عزّ و شرافت ہے فاطمہؑ
شرحِ کتابِ عصمت و عفت ہے فاطمہؑ
مفتاحِ بابِ گلشنِ جنّت ہے فاطمہؑ
نورِ خدا و آیۂ رحمت ہے فاطمہؑ
رُتبے میں وہ زنانِ دو عالم کا فخر ہے
حوّا کا افتخار ہے، مریمؑ کا فخر ہے

اللہ رے فاطمہؑ کی بزرگی، زہے شرف
بابا ملا تو فخرِ رسولانِ ما سلف
شوہر ملا، امیرِ عرب اور شہِ نجفؑ
اللہ نے حسینؑ و حسنؑ سے دیئے خلف
دونوں امامِ خلق کے حاجت رَوا ہوئے
مشکل کشا کے بیٹے بھی مشکل کشا ہوئے

جُز اک ردائے کہنہ نہ تھی دوسری ردا

اس میں بھی لیفِ خرما کے پیوند جا بہ جا

بستر سے تھا کبھی نہ تنِ پاک آشنا

فرشِ زمیں تھا خواب گہِ بنتِ مُصطفےٰؐ

دنیا میں جیتے جی کبھی راحت نہیں ملی

فاقوں میں گر ملی بھی تو نانِ جویں ملی

محتاج تھی، مگر تھا سخاوت کا بھی یہ حال

فاقے میں در پہ آن کے جس نے کیا سوال

دے آئی کچھ نہ کچھ اُسے جا کر وہ خوش خصال

دنیا کے مال کو نہ سمجھتی تھی کچھ بھی مال

سینے میں دل علائقِ دنیا سے پاک تھا

کوہِ طلا بھی سامنے زہراؑ کے خاک تھا

جس پر یہ کبریا کی عنایت ہو، یہ کرم

اُس پر قلیل عمر میں کیا کیا ہوئے ستم

دنیا سے کُوچ کر گئے جب سرورِ اُممؐ

اس فاقہ کش پہ ٹوٹ پڑا کوہِ درد و غم

محبوبِ کبریاؐ سا پدر گھر سے اُٹھ گیا

سایہ تھا جس کا سر پہ، وہی سر سے اُٹھ گیا

اس صدمے پر بھی درپئے ایذا تھے اہلِ کیں
باغِ فدک ہوا جو ٹھکانا نہ تھا کہیں
مسجد میں خط سند کا گئی لے کے وہ حزیں
اس کو دیا جواب کہ تیرا یہ حق نہیں
بس چل سکا نہ زوجہ شیرِ الٰہ کا!
پرزے کیا نوشتہ رسالت پناہ کا
مانندِ بید غیظ سے تھرائی فاطمہؑ
روتی نبیؐ کی قبر پہ پھر آئی فاطمہؑ
چھاتی پہ ہات مار کے چلائی فاطمہؑ
فریاد کرنے آئی ہے دکھ پائی فاطمہؑ
یا شاہؐ ضبط مِلک مری آج ہو گئی
بیٹی تمہاری قوت کو محتاج ہو گئی
اتنے میں آئے روتے ہوئے شاہِ لافتا
چادر اُڑھائی فاطمہؑ کو اور یوں کہا
بس بس خدا کے واسطے گرتی ہو کیوں بکا
گھر میں چلو کہ روتے ہیں سبطینِ مصطفا
لازم ہے تم کو رحم کہ رحمت کا باب ہو
ایسا نہ ہو کہ خلق پہ نازل عذاب ہو

یہ کہہ کے لائے گھر میں جناب بتولؑ کو
غش آیا فرطِ ضعف سے بنتِ رسولؐ کو
اس پر بھی دشمنی تھی یہ قوم جہول کو
رہنے دیا نہ چین سے اُس دل ملول کو
پاسِ ادب رسولؐ کے گھر کا اُٹھا دیا
دروازہ آکے آگ سے اِس کا جلا دیا
در سے لگی وہ کہتی تھی آنسو بہا بہا
کیوں گھر مرا جلاتے ہو میں نے یہ کیا کیا
اِک شخص نے ستم یہ کیا وامصیبتا
دروازہ لات مار کے اُس پر گرا دیا
پہلو پہ آئی ضرب جو بنتِ رسولؐ کے
محسن ہوا شہید شکم میں بتولؑ کے
مسجد میں مرتضےٰ گئے روتے پئے نماز
یاں فاطمہؑ نے حق سے کہا اپنے دل کا راز
اے خالقِ زمین و زماں ربِ بے نیاز
میں ہوں تری کنیز، تو عالم کا کارساز
مقبول یہ دُعا مری ہر آن کیجیو!
مشکل فشارِ قبر کی آسان کیجیو!

یہ کہہ کے چُپ ہوئی جو وہ مخدومۂ زماں
زینبؑ یہ بولی فضہ سے باچشمِ خوں فشاں
کچھ کہتے کہتے ہوگئیں خاموش اماں جاں
آئی صدائے احمدِ مختار ناگہاں
چھوڑا جہانِ فانی کو بنتِ رسولؐ نے
صف ماتمی بچھاؤ! قضا کی بتولؑ نے

ماتم میں گزری بنتِ نبیؐ کے جو آدھی رات
میّت کو دے کے غسل و کفن شاہِ خوش صفات
گھر سے جنازہ لے چلے بیٹوں کو لے کے ساتھ
زینبؑ پکاریں مار کے چھاتی پہ دونوں ہات
کیا ہے کہ بیٹیوں سے بھی منہ موڑے جاتی ہو
اماں! اکیلے گھر میں ہمیں چھوڑے جاتی ہو

بس آگے دفنِ فاطمہؑ کا کیا سناؤں حال
کاغذ ہے سینہ ریش، قلم کی زباں ہے لال
گر دل میں تیرے مرثیہ گوئی کا ہے خیال
بس اے انیسؔ! حیدرِ صفدر سے کر سوال
ذہنِ سلیم اپنے کرم سے عطا کرو
یا مرتضٰی علیؑ مری حاجت روا کرو

مثالِ بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

بہ رنگِ سبزۂ بیگانہ، باغِ دہر میں تھا
ترے سحابِ کرم نے کیا نہال مجھے

کریم! جو تجھے دینا ہو، بے طلب دیدے
فقیر ہوں، پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

یہ الفتیں بھی ہیں دنیا میں یادگار لے مرگ
مِرا خیال تجھے، اور ترا خیال مجھے

کسی کے سامنے کیوں جا کے ہات پھیلاؤں
مِرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

حضرت امام حسن علیہ السلام

○

سجدے میں قتل جب شہہِ خیبر شکن ہوئے
زینت دہِ سریرِ امامت حسنؑ ہوئے
سبطِ رسولؐ جب کہ امامِ زمن ہوئے
ممنونِ فیضِ عام سے سب مرد و زن ہوئے
چرچا تھا خوبیوں کا زمیں سے فلک تلک
خلقِ حسنؑ کا شور تھا عرشِ بریں تلک

حلّالِ مشکلاتِ امیر و فقیر تھے
اور شاہِ لافتا کے معظم وزیر تھے
قائم مقامِ سرورِ گردوں اسیر تھے
کیا گوہرِ نسب میں عدیم النظیر تھے
نانا، رسولؐ بادشہِ مشرقین سا
بازو اگر خدا نے دیا تو حسینؑ سا

ہمت کو نامِ پاک کی نسبت سے تھا شرف
لعل و گہر سے بھر دیے تھے سائلوں کے کف
پھرتے تھے کوچہ ہائے مدینہ میں جس طرف
ہو جاتے تھے فقیر و غنی دم میں صف بہ صف
انبارِ نان دوش پہ اپنے اُٹھاتے تھے!
بھوکوں کو جا کے رات کو کھانا کھلاتے تھے

اخبارِ صادقین سے ہوتا ہے یہ عیاں
اسمار تھی ایک زوجۂ شہزادۂ زماں
اس کی طرف سے رہتے تھے مولا جو بد گماں
کہتے تھے لوگ اس کا بتا دیجیے نشاں؟
فرماتے تھے گریز نہیں ہے ممات سے
قطع حیات ہے شُدنی اسکے ہات سے

آخر ہوا وہ کہتے تھے جو شاہِ نامدار
شہد و رطب میں زہر دیا اس نے تین بار
دردِ شکم سے رہتے تھے نالاں و بے قرار
سو سو طرح کے رنج تھے اور ایک جانِ زار
کیا بیکسی تھی راحتِ جانِ بتولؑ پر!
جا جا کے لوٹتے تھے مزارِ رسولؐ پر

مصروف تھے خدا کی عبادت میں صبح شام
گھر سے کہیں نہ جاتا تھا شہزادۂ انام
یثرب میں اک مکاں تھا بنا کردۂ امام
منظور ہو گیا شب رحلت وہیں مقام
رشکِ بہشت و غیرتِ باغِ جناں ہوا
اس شب کو وہ مکان تو بس لامکاں ہوا

وہ سبطِ مصطفےٰ کی شہادت کی رات تھی
آفت کی رات تھی، وہ مصیبت کی رات تھی
عالم کے بادشاہ کی رحلت کی رات تھی
زہراؑ و مرتضیٰؑ پہ قیامت کی رات تھی
گزری قلق میں فاطمہؑ کے نورِ عین کو
ہجرِ حسنؑ میں نیند نہ آئی حسینؑ کو

بستر پہ جلوہ گر جو ہوا وہ فلک جناب
تا نصفِ شب نہ چشم ہوئی آشنائے خواب
زیرِ زمیں تھا خاک بسر قرصِ آفتاب
داغِ جگر دکھاتا تھا جھک جھک کے ماہتاب
تارے زمیں پہ ٹوٹ کے پیہم گرا کئے
چشمِ فلک سے قطرۂ شبنم گرا کئے

پڑھ کر نمازِ شب کو جو سوئے شہِ اُممؑ
اسمانے پھر ملا دیا پانی میں آ کے سَم
زینبؑ کو چونک کر یہ پکارے بصد اَلم
بھینا! ابھی گلے سے نبیؐ کے لگے تھے ہم
رقت یہ تھی کہ اشکوں سے تر روئے پاک تھا
محبوبِ کبریا کا گریبان چاک تھا

نانا گلے لگا کے یہ کہتے تھے بار بار!
اے بیکس و غریب حسنؑ، میں ترے نثار
پھرتے تھے میرے گرد، علیؑ کو نہ تھا قرار
اماں بلائیں لے کے کرتی تھیں مجھ کو پیار
پوچھا جو میں نے آپ کا کیوں رنگ زرد ہے
رو کر کہا کہ آج کلیجے میں درد ہے

فرمایا یہ حسنؑ نے اُٹھا کے زمیں سے جام
پایا دُرست اُس کو جو تھا مُہر کا مقام
تھوڑا سا پانی پی کے پکارا وہ تلخ کام
دوڑو بہن! کہ کام ہمارا ہوا تمام
یہ کہتے کہتے زرد رُخِ پاک ہو گیا
چلاتے تھے کہ ہائے جگر چاک ہو گیا

دوڑیں جنابِ زینبِؑ بیکس برہنہ پا
دیکھا کہ لوٹتے ہیں بچھونے پہ مجتبیٰؑ
بولی یہ سر کو پیٹ کے وہ غم کی مبتلا
ہے ہے بہن نثار ہو بھیّا! یہ کیا ہوا؟
کیا پھر کسی نے زہر دغا سے پلا دیا
کس نے مرے کلیجے پہ خنجر چلا دیا

تکیے لگا دیے تھے حرم نے اِدھر اُدھر
بازو کو کوئی تھامتی تھی اور کوئی سر
فرمایا، طشت لاؤ، ہوا زہر کارگر
رہ رہ کے کاٹتا ہے کوئی تیغ سے جگر
سینے سے منہ میں ٹکڑے کلیجے کے آتے ہیں
نانا بلا گئے تھے سو دنیا سے جاتے ہیں

یہ کہتے کہتے غش ہوئے شاہِ فلک جناب
غم گیں تو تھے حسینؑ ہوا اور اضطراب
حاضر تھی روحِ احمدؐ و زہراؑ و بوترابؑ
وا تھے برنگِ دیدۂ نرگس جناں کے باب
تشریف خلد کو شہہِ ذی جاہ لے گئے
جدّ و پدر جو آئے تھے ہمراہ لے گئے

برپا تھا اہلِ بیتِ محمدؐ میں شور و شین
بہنیں پچھاڑیں کھاتی تھیں خاک پہ کرکے بین
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلّاتے تھے حسینؑ
اب اُٹھ گیا زمانے سے ہم بیکسوں کا چین
بازو ہمارا ٹوٹ گیا وا مصیبتا!
باپ آج مجھ سے چھوٹ گیا وا مصیبتا!

○

رُباعی

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے
گلزارِ بہشت اپنا مے خانہ ہے
سرمست ہیں حبِّ ساقیٔ کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں، قلب پیمانہ ہے

امام حسینؑ کی ولادت

ہاں اے فلکِ پیر! نئے سر سے جواں ہو
اے ماہِ شبِ چار دہم! نور فشاں ہو
اے ظلمتِ غم دیدہ! تو عالم سے نہاں ہو
اے روشنیِ صبحِ شبِ عید عیاں ہو
شادی ہے ولادت کی یداللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

قربانِ شبِ جمعہ، شعبانِ خوش انجام
پیدا ہوا جس شب کو محمدؐ کا گل اندام
قائم ہوا دیں، اور بڑھی رونقِ اسلام
ہم پلّۂ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی شبِ قدر سے پوچھو

روشن تھا مدینے کا ہر اک کوچہ و بازار
جو راہ تھی خوشبو، جو محلہ تھا وہ گل زار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تاتار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوسِ بریں کی!

کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظم
رُخ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالم
جبریل و سرافیل کو مہلت نہ تھی اِک دم
بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
باشندوں کو یثرب کے، خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پَروں کی

ناگاہ درِ حجرہ ہوا مطلع الانوار
دِکھلانے لگے نورِ تجلّی در و دیوار
اسمانے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اِک بار
فرزند مبارک تمھیں یا حیدرِ کرّارؑ
اسپند کرو فاطمہؑ کے ماہِ جبیں پر
فرزند نہیں چاند یہ اُترا ہے زمیں پر

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا
نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا
اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اُتارا
تصویر رسولِ عربیؐ دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبیؐ دیکھ رہے ہیں

مژدہ یہ سُنا احمدِؐ مختار نے جس دم
بس شکر کے سجدے کو گرے رحمتِ عالمؐ
آئے طرفِ خانۂ زہراؑ خوش و خرّم
فرمایا مبارک پسر اے ثانیٔ مریم
چہرہ مجھے دِکھلادو مرے نورِ نظر کا!
ٹکڑا ہے یہ فرزند محمدؐ کے جگر کا

کی عرض یہ اسمانے کہ اے خاصۂ داور
نہلا لوں تو لے آؤں اسے حجرے سے باہر
ارشاد کیا احمدِ مختار نے ہنس کر
لے آ! کہ نواسا ہے مرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ تو نہیں ماہر
یہ نورِ الٰہی ہے یہ ہے طیب و طاہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر
یہ آیتِ ایماں ہے یہ ہے حجتِ باہر
بڑھ کر مددِ دینِ پیمبر کرے گا
کفار کے قبضے کو یہی پاک کرے گا

جس دم یہ خبر مخبرِ صادق نے سنائی
اسماؑ اُسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
بو اُس گلِ تازہ کی محمدؐ نے جو پائی
ہنسنے لگے اور رُخ پُر نور پہ آئی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولِ عربیؐ نے
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

جاں آگئی، یعقوب نے یوسف کو جو پایا
قرآں کی طرح، رحلِ دو زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے، بہت پیار جو آیا
بوسے لئے اور ہاتوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا کی جب کہ نظر سینۂ و سر پر
چوما جو گلا، چل گئی تلوار جگر پر

جوش آیا تھا رونے کا، مگر تھام کے رقّت
اس کان میں فرمائی اذاں اس پہ اقامت
حیدرؑ سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت
کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت
پُرنور ہے گھر، تم کو ملا ہے ثمر ایسا!
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیوں کر نہ ہو تم سا پدر اور فاطمہ سی ماں
دو شمس و قمر کا ہے یہ اِک نیّرِ تاباں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے قبلۂ ایماں
حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرِ ذی شاں
اعلیٰ ہے وہ سب سے جو مقامِ شہہِ دیں ہے
بندہ ہوں میں، اور یہ بھی غلامِ شہہِ دیں ہے

فرمانے لگے ہنس کے شہہِ یثرب و بطحا
بھائی کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا؟
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے سیّدِ والا
سبقت کروں حضرت پہ یہ مقدور ہے میرا؟
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِّ عُلا پر!
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

بس اتنے میں نازل ہوا جبریلِ خوش انجام
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علّام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہرؑا کا گل اندام
یا ختمِ رسلؐ ہم نے حسینؑ اس کا رکھا نام

یہ حسنؑ میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق تو ہے احسان سے، تصغیرِ حسنؑ ہے

(ح) حے سے ہے اشارہ کہ ہے یہ حامیٔ اُمّت
(س) سمجھیں گے اسی سین کو سب سینِ سعادت
(ی) ے اس کی بزرگی میں ہے یٰسین کی آیت
(ن) ہے نون سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوّت

ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن ہے
یہ حسن میں دونا حصّے زیادہ ہے حسن سے

دو نور کے دریاؤں کو ہم نے کیا اک جا
تب اس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
توقیر میں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا
اب اور نہ ہوگا کوئی اس حسن کا لڑکا

ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پر

جب کر چکے ذکرِ کرم مالکِ تقدیر
جبریلؑ نے پاس آن کے دیکھا رُخِ شبیرؑ
کی صِلِ علیٰ کہہ کے محمدؐ سے یہ تقریر
یا شاہؐ! یہ مہ رُو تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں!
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں
ہے اس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود
یہ پیشتر آدمؑ سے بھی تھا عرش پہ موجود
ہے ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم و جود
تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
مظلومیؑ و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے
ہوگا یہ محرم میں ستم اے شہِ ذی جاہ
چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند میں یہ ماہ
تاریخِ دہم، جمعے کے دن، عصر کے وقت آہ
نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گم راہ
کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہوں گے
گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

جس وقت سُنی فاطمہؑ نے یہ خبرِ غم
شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
چلاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیِؑ مریم
بیٹی پہ چھری چل گئی، یا سیّدِ عالمؐ
خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہے ہے مرے شبیرؑ کی گردن
ہے ہے کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی
ہے ہے یہ سہے گا تعبِ تشنہ دہانی
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمنِ جانی
ہے ہے مرا محبوب، مرا یوسفِ ثانی!
پیراہنِ صد چاک کفن ہووے گا اس کا
سر نیزے پہ، اور خاک پہ تن ہووے گا اس کا

امام حسینؑ کے بچپن کا ایک معجزہ

○

حقا کہ عجب مرتبہ سبطِ نبیؐ ہے
کیا خالقِ اکبر نے شرافت اسے دی ہے
ہے فاطمہؑ ماں، نانا نبیؐ، باپ علیؑ ہے
بچپن سے وہ مقبولِ جنابِ احدی ہے
جبریلؑ ہوا کیا کوئی اس راز کو جانے
جس چیز پہ ہٹ کی ہے وہ بھیجی ہے خدا نے

درگاہِ الٰہی میں یہ تھی عزت و توقیر
اٹھتی تھی جو طاعت کے لئے مادرِ دلگیر
جبریلؑ سے فرماتا تھا یہ مالکِ تقدیر
جھولے کو جھلا تو کہ نہ بے چین ہو شبیرؑ
زہرا کے پسر سے کوئی پیارا نہیں ہم کو
ایذا اُسے ہووے یہ گوارا نہیں ہم کو

نادار ہے، محتاج ہے، خاتونِ قیامت
اور کرتی ہے وہ آسیہ گردانی کی محنت
تُو کہیو کہ خادم کو عنایت ہے یہ خدمت
تم دودھ پلاؤ کہ ہو شبیرؑ کو راحت
خدمت مجھے جھولے کے جُھلانے کی جو دی ہے
شبیرؑ نہ روئے یہی خالق کی خوشی ہے

کیا رُتبہ ہے، جبریلؑ نے جھولے میں جھلایا
اور فاطمہؑ نے سینۂ اقدس پہ سُلایا
جو ناز کیا، شیرِ خدا نے وہ اُٹھایا
اللہ کے محبوبؐ نے کاندھے پہ چڑھایا
یہ لطف و کرم تھا، یہ عنایت تھی خدا کی
مقبول وہیں ہو گئی جس وقت دُعا کی

اِک سال ہوئی شہرِ مدینہ میں گرانی
دانا ہوا نایاب کہ برسا نہ تھا پانی
خلقت نے مناجات بھی کی نذر بھی مانی
جُز اشک زمیں پر نہ ہوئی قطرہ فشانی
غلّے کے لئے خلق ترستی تھی زمیں پر
پانی کے عوض آگ برستی تھی زمیں پر

تھا قحط سے ہر سمت مدینے میں تلاطم
آدم کو نہ آتی تھی نظر صورتِ گندم
پژمردہ زراعت تھی، سراسیمہ تھے مردم
شادابیِ گلزارِ جہاں ہو گئی تھی گم
ہر غنچے کا منہ زرد تھا اور خشک زباں تھی
ایامِ بہاری میں نہالوں پہ خزاں تھی

سب مل کے گئے، پاس محمدؐ کے بہ صد غم
کی عرض، کہ اے قبلۂ دیں! قبلۂ عالم!
ہیں آپؐ نہی دستیِ اُمت سے تو محرم
پانی جو نہ برسے گا، تو بچنے کے نہیں ہم
آپؐ آیۂ رحمت ہیں، عطا کیجیے مولاؐ
مینہ برسے، خدا سے یہ دُعا کیجیے مولاؐ

حضرت نے انھیں مضطرب الحال جو پایا
دل آپؐ کا اُمت کی غریبی پہ بھر آیا
شبیرؑ کا مُنہ چوم کے اِس طرح سُنایا
اللہ نے ہے عقدہ کُشا تم کو بنایا
حق سے طلب بارشِ باراں کرو پیارے
مشکل مری اُمت پہ ہے آساں کرو پیارے

زانوئے پیمبرؐ سے اُٹھے سبطِ پیمبرؐ
قبلے کی طرف منہ کیا، اور کھول دیا سَر
خالق سے کہا چھوٹے سے ہاتوں کو اُٹھا کر
بندوں پہ بس اَب رحم کر اے خالقِ اکبر
ساحت کی گرانی ہوئی، ارزانی ہے غم کی
مشتاق ہے خلقت تری بارانِ کرم کی
جس دم یہ محمدؐ کے نواسے نے دُعا کی
گردوں پہ گھٹا چھا گئی قدرت سے خدا کی
برسانے لگی پانی کو تحریک ہَوا کی
یہ رعد نے بجلی کے چمکتے ہی صَدا کی
عالم کی طرف رحمتِ حق کی جو نظر ہے
فرزندِ محمدؐ کی دعا کا یہ اثر ہے
مینہ برسا جو صدقے سے حسینؑ ابن علیؑ کے
سب دوڑ کے قدموں پہ گرے سبطِ نبیؐ کے
شبیرؑ سے احمدؐ نے کہا مارے خوشی کے
سینے سے لو لگ جاؤ رسولِ عربیؐ کے
گردن کو سوئے قبلہ جھکانے کے ہیں صدقے
ان چھوٹے سے ہاتوں کو اُٹھانے کے ہیں صدقے

شبیرؑ گلے لگنے کو ہنستے ہوئے آئے
منہ چوم کے ہات آنکھوں سے حضرتؐ نے لگائے
آنسو بھی مگر متصل آنکھوں سے بہائے
اصحاب نے پوچھا تو سخن لب پہ یہ لائے
بخشا ہے خدا نے یہ اثر اس کی زباں میں
اک روز یہی پانی کو ترسے گا جہاں میں
جن ہاتوں سے تم سب کے لئے کی ہے مناجات
تلواروں سے کٹ جائیں گے اک روز یہی ہات
پانی نہیں ملنے کا اسی پیاسے کو ہیہات
برسائیں گے مینہ تیروں کا اس پیاسے پہ بدذات
بجلی سی ہر اک تیغ ستم آئے گی اس پر
میداں میں گھٹا شام کی چھا جائے گی اس پر
اے مومنو! آقا کی سنی تم نے فضیلت
بچپن ہے گنہگاروں کے ہیں آیۂ رحمت
تھی ان پہ ہر اک امر میں خالق کی عنایت
جب مانگی دعا، ہو گیا وا، آیۂ رحمت
یہ عزت و توقیر ہے اس عقدہ کشا کی
خالق نے اسے عید کی پوشاک عطا کی

○

مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دُنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

مِلا جنھیں، اُنھیں افتادگی سے اوج مِلا
اُنھی نے کھائی ہے ٹھوکر، جو سر اُٹھا کے چلے

تمام عمر جو کی سب نے بے رُخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے

انیسؔ! دم کا بھروسا نہیں، ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

حضرتِ عباسؑ کی ولادت

عباسِ علیؑ شیرِ نیستانِ نجف ہے
تابندہ دُرِ تاجِ سلیمانِ نجف ہے
سروِ چمنِ خضرِ بیابانِ نجف ہے
آئینۂ روئے مہِ کنعانِ نجف ہے
طفلی سے اسے عشقِ امامِ دوسرا تھا
شہ اُس پہ فدا تھے، وہ شہِ دیں پہ فدا تھا

اللہ رے نسب واہ رِی توقیر زہے جاہ
دادا تو ابوطالب غازی سا شہنشاہ
عم جعفرِ طیّار، ہژبرِ صفِ جنگاہ
اور والدِ ماجد کو جو پوچھو! اسداللہ
فخر ان کو غلامی کا حسینؑ ابنِ علیؑ کی
مادر کو کنیزی کا شرف بنتِ نبیؐ کی

ہر چند نہ تھا بطن سے زہراؑ کے وہ مہ رو
لیکن کسے ہاتھ آتا ہے اس طرح کا بازو
بچپن سے جو چھوڑا نہ تھا شبیرؑ کا پہلو
تھی طبع میں ساری گلِ زہراؑ ہی کی خوشبو
خُلق اُس میں جواں مردی شاہِ نجف اس میں
تھے علم امامت کے سوا سب شرف اس میں

پیدائشِ عباسؑ کا یہ حال ہے تحریر
جب خُلد کو دنیا سے ہوئیں فاطمہؑ رہ گیر
یاور تھی زبس مادرِ عباسؑ کی تقدیر
ہم بسترِ حیدرؑ ہوئی وہ صاحبِ توقیر
جس روز سے آئی تھی یداللہ کے گھر میں
رہتی تھی شب و روز تمنائے پسر میں

دعوائے کنیزی تھا اُسے بنتِ نبیؐ سے
تھا اُنس بہت، آلِ رسولِ عربیؐ سے
مطلب تھا نہ اپنی اُسے راحت طلبی سے
آگاہ تھی، شبیرؑ کی عالی نسبی سے
مصروف وہ فضہ سے بھی خدمت میں سوا تھی
تن جان سے فرزندوں پہ زہراؑ کے فدا تھی

حیدرؑ سے کبھی پوچھتی تھی، یا شہہِ صفدر
دونوں میں بہت چاہتے تھے کس کو پیمبرؐ
اُس بی بی سے فرماتے تھے یہ، فاتحِ خیبرؑ
اُلفت تھی محمدؐ کو نواسوں سے برابر
یہ دونوں دل و جانِ رسولِؐ دوسرا تھے
صدقے کبھی اُس پر تھے، کبھی اِس پہ فدا تھے

جب مصحفِ ناطق سے سُنی اُس نے یہ تقریر
کی حق سے مناجات، کہ اے مالکِ تقدیر
گر دے تو مجھے ایک پسر صاحبِ توقیر
میں اُس کو خوشی ہو کے کروں فدیہ شبیرؑ
ممتاز غلاموں میں جو گل فام ہو میرا
زہراؑ کی کنیزوں میں بڑا نام ہو میرا

شبیرؑ کا تھا نام مناجات میں شامل
کس طرح نہ مقبول کرے خالقِ عادل
جلد اُس کو ثمر، نخلِ دُعا کا ہوا حاصل
اللہ نے بخشا پسرِ نیک شمائل
دِکھلائی جو تصویر پسر بختِ رسا نے
عباسؑ علیؑ نام رکھا شیرِ خدا نے

شبیرؑ کو عباسؑ کی مادر نے بلایا
اور گود میں فرزند کو دے کر یہ سنایا
لو واری، وفادار غلام آپ نے پایا
نعلین اٹھائے گا تمہاری، مرا جایا
آقا ہو، شہنشاہ ہو، سردار ہو اس کے
مالک ہو تمھی، اور تمھی مختار ہو اس کے

چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ خوش خو
یہ تقویتِ روح ہے اور قوتِ بازو
اس گل سے وفاداری کی آتی ہے مجھے بو
کتنا مرے بابا سے مشابہ ہے یہ گل رو
یہ شیر، مددگاریِ شبیرؑ کرے گا
اللہ اسے صاحبِ توقیر کرے گا

جب سات برس کا ہوا وہ گیسوؤں والا
ماں نے کہا، تم نے مری جاں ہوش سنبھالا
مانی تھی یہ نذر اور تھا اسی واسطے پالا
اب تم کو کروں گی میں نثارِ شہہِ والا
حق الفتِ زہرا کا ادا کرتی ہوں بیٹا
جو عہد کیا اس کو وفا کرتی ہوں بیٹا

خوش ہو کے یہ کی حضرتِ عباسؑ نے تقریر
یہ عین تمنا ہے کہ ہوں فدیۂ شبیرؑ
حاضر ہوں، کرو جلد فدا ہونے کی تدبیر
لازم نہیں اماں! عملِ خیر میں تاخیر
گو عمر میں چھوٹا ہے گل اندام تمھارا
پر خلق میں ہووے گا بڑا نام تمھارا
مادر کو یہ فرزند کی تقریر خوش آئی
لے لے کے بلائیں اُسے پوشاک پنھائی
پکڑے ہوئے ہات، آگے ید اللہ کے لائی
کی عرض کہ لونڈی نے جو دولت ہے یہ پائی
تھا دین ادا کرنے کا، اس کے مرے سر پر
آپ اس کو فدا کیجئے زہراؑ کے پسر پر
کچھ سوچ کے فرزند سے حیدرؑ نے یہ پوچھا
شبیرؑ پہ ماں تجھ کو فدا کرتی ہے بیٹا
عباس بتا دے مجھے، مرضی ہے تری کیا
وہ اہلِ وفا جوڑ کے ہاتوں کو یہ بولا
میں عاشقِ فرزندِ رسولِ دوسرا ہوں
سو بار جو زندہ ہوں تو سو بار فدا ہوں

روکر اسداللہ نے دیکھا سوئے شبیرؑ
جنگاہ کی آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر

پیاسوں کا خیال آگیا حالت ہوئی تغیّر
یاد آئی بھری مشک کلیجے پہ لگا تیر

طاقت نہ رہی ضبط کی احمدؐ کے وصی کو
نزدیک تھا، صدمے سے غش آجائے علیؑ کو

عباسؑ کو لپٹا کے گلے کرنے لگے پیار
چومے کبھی عباسؑ کے بازو، کبھی رُخسار

فرماتے تجھ سا نہیں دنیا میں وفادار
صدقے ترے اے دلبرِ زہراؑ کے مددگار

ماتم ترا ہر تعزیہ خانے میں رہے گا
شہرہ تری اُلفت کا زمانے میں رہے گا

بیعت کے مسئلے سے شہادت تک

○

جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا
سب ملک روسیاہ کے زیرِ نگیں ہوا
شبیرؑ سے زیادہ اُسے بغض و کیں ہوا
ایذائے اہلِ بیتؑ کے دَر پے لعیں ہوا
کہتا تھا سلطنت کا تو ساماں درست ہے
سختی نہ اِن پہ ہو تو ریاست یہ سُست ہے

خط حاکمِ مدینہ کو لکھا بہ شدّ و مَد
مضموں یہ تھا، کہ تب ہے اطاعت تری سَنَد
بیعت مری حسینؑ سے لے تو بہ جبر و کد
میں فوج بھیجتا ہوں کرے گی تری مَدد
بیعت کریں، تو جلد اِدھر بھیج دیجیو
راضی نہ ہوں، تو کاٹ کے سر بھیج دیجیو

پہنچا اُسے مدینے میں جب نامۂ یزید
پڑھ کر وہ خط بہت متردّد ہوا ولید
دل میں کہا یہ ظلم تو ہے عقل سے بعید
میں فاطمہؑ کے لال کو کیونکر کروں شہید
دعوائے سلطنت بھی نہیں بے قصور ہے
ایسے کنارہ کش پہ ستم کیا ضرور ہے

آخر کسی کو بھیج کے شہؑ کو کیا طلب
بھائی، بھتیجے شاہ کے حاضر تھے سب کے سب
فرمایا اُن سے جا کے میں آؤں گا وقتِ شب
معلوم ہے مجھے جو بُلانے کا ہے سبب
سب جانتے ہیں بیعتِ فاسق حرام ہے
اُس کی طلب نہیں یہ اجل کا پیام ہے

گھبرا گئے یہ سُن کے عزیز و رفیق و یار
قاسمؑ نے رکھ لی سامنے شمشیرِ آب دار
اکبرؑ نے بھی طلب کیا اسبابِ کارزار
آئے کمالِ غیظ میں، عباسؑ نامدار
کہکر یہ بات، صورتِ شیر اُٹھ کھڑے ہوئے
حاکم کے گھر نہ جائیں گے ہم بے لڑے ہوئے

زینبؑ کے دونوں بیٹوں کو اُس دم رہی نہ تاب
جا کر حرم سرا میں کہا با صد اضطراب
حاکم کے گھر میں جاتے ہیں شاہِ فلک جناب
امّاں ! ہمارے نیمچے لا دیجئے شتاب
بگڑے گی گر، تو خون کے دریا بہائیں گے
کام آج بھی نہ آئے تو کس کام آئیں گے

سُن کر سخن یہ، ہو گیا زینبؑ کا رنگ زرد
آنسو بھر آئے آنکھوں میں اُٹھا جگر میں درد
بولی کلیجہ تھام کے، اور آہ بھر کے سرد
کیا والیٔ مدینہ ہے آمادۂ نبرد؟
ایسی علیؑ کے لال سے تقصیر کیا ہوئی
کیا جُرم، کیا گناہ ہوا کیا خطا ہوئی

بھائی کو میرے پاس بُلاؤ اسنوں میں حال
کیا بات ہے جو خاطرِ اقدس پہ ہے ملال
تنہا چلا نہ جائے کہیں فاطمہؑ کا لال
بھائی پہ کچھ بنے گی تو کھولوں گی سر کے بال
شاید دغا ہو، جنگ کا ساماں لئے چلیں
حاکم کے گھر میں ساتھ مجھے بھی لئے چلیں

زینبؑ یہ کہہ رہی تھیں کہ آئے امام دیںؑ
منہ دیکھ شہہ کا، رونے لگیں زینبؑ حزیں
فرمایا شہہ نے روتی ہو کیوں؟ خوف کچھ نہیں
حاکم کے گھر میں جائے گا حیدرؑ کا جانشیں
وہ اور ہے جگہ، تمہیں جس کا خیال ہے
یاں مجھ پہ ہات اُٹھائے کوئی کیا مجال ہے

سمجھا چکے بہن کو جو حضرت بہ چشم تر
باندھی شہہ نجفؑ کے کمربند سے کمر
ڈالا عبائے پاک محمدؐ کو دوش پر
لے کر عصا نبیؐ کا چلے شاہ بحر و بر
یوں ساتھ تھے عزیز شہہ کم سپاہ کے
جیسے ستارے چرخ پہ ہوں گرد ماہ کے

حاکم کے در پہ پہنچے تو کہنے لگے امامؑ
تم سب رہو یہیں کہ نہیں واں تمہارا کام
پر جب کروں پکار کے حاکم سے میں کلام
دڑانہ آئیو کہ مدد کا ہے وہ مقام
گھبراتے اتنا کیوں ہو کہ میں بے قصور ہوں
نے تم ہو مجھ سے دُور نہ میں تم سے دور ہوں

پاسِ ادب سے کہہ نہ سکے کچھ رفیقِ دیار
بولے یہ ہات جوڑ کے عبّاسِ نامدار
دل کو غلام کے، نہیں آئے گا یاں قرار
سائے کی طرح ساتھ نہ چھوڑیگا جاں نثار
شاید نہ پہنچے یاں تلک آواز دُور کی
کفشیں لیے رہے گا یہ خادم حضور کی

سمجھا کے بھائی کو، گئے حاکم کے پاس شاہ
اُس نے کہا، معاویہ نے لی عدم کی راہ
پڑھیے خطِ یزید کو اے شاہِ دیں پناہ
پڑھ کر وہ خط، امام نے کھینچی جگر سے آہ
فرمایا، سر کٹے تو کٹے، کچھ اَلم نہیں
دانستہ دیویں ہات سے عزت، وہ ہم نہیں

ہم ہیں ستونِ دین و نشانِ رہِ یقیں
خالق نے اپنے راز کا ہم کو کیا اُمیں
واللہ ہم ہیں وارثِ سردارِ مرسلیں
روشن ہمارے نُورِ امامت سے ہے زمیں
گردش سے گو زمانے کی، مظلوم آج ہیں
فضلِ خدا سے عرشِ معلّٰی کے تاج ہیں

یہ کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے شاہِ ذوالاحترام
تُربتِ رسولؐ پر اسی شب کو گئے امامؑ

لپٹے ضریحِ پاک سے اور یہ کئے کلام
رخصت کرو حسینؑ کو یا سیدِ انامؐ

تربت میں لے کے جلد لگا لیجیے سینے سے
اعدا نکالے دیتے ہیں مجھ کو مدینے سے

یہ جو کہا امامؑ نے آنسو بہا بہا
بس یک بیک مزارِ نبیؐ کانپنے لگا

آئی ضریحِ پاکِ محمدؐ سے یہ صدا
ماں باپ میرے تجھ پہ فدا، اور میں فدا

تیرے اَلم سے خنجر کیں دل پہ چلتے ہیں
جاتا ہے تُو، تو قبر سے ہم بھی نکلتے ہیں

واں سے وداع ہو کے گئے ماں کی قبر پر
دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینبؑ برہنہ سر

کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر
بھائی مرا مدینے سے ہے عازمِ سفر

ملتی نہیں پناہ شہِ دیں پناہ کو
سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

زینبؑ کو روتا دیکھ کے رونے بہت امامؑ
رُخصت کا ماں کی قبر کو جھک کر کیا سلام
شب بھر تو گھر میں روتے رہے شاہِ خاص و عام
وقتِ سحر وطن سے چلے سیّدِ انام
رستے پہ شہر کے تو سواری کا شور تھا
اہلِ وطن کے نالہؑ وزاری کا شور تھا

مایوس تھے جو فاطمہؑ کے نُورِ عین سے
مَلتے تھے آنکھیں پائے شہِ مشرقین سے
اُس رات کوئی گھر میں نہ سویا تھا چین سے
غُل تھا مدینہ ہوتا ہے خالی حُسینؑ سے
رُخصت حرم سے عورتیں آ آکے ہوتی تھیں
کوٹھوں پہ پردے والیاں منہ ڈھانپ رو تی تھیں

آتی تھی جب عماریٔ زینبؑ قریبِ بام
اِن عورتوں سے کہتی تھی یہ خواہرِ امامؑ
اے بی بیو! برائے خدا ہے یہ میرا کام
شہ کی سلامتی کی دُعا کیجو صبح و شام
وہ دن خدا کرے کہ خوشی تم کو پاؤں میں
بھائی کو لے کے خیر سے پھر گھر میں آؤں میں

نا کے ملک تو ساتھ تھا خلقت کا اژدہام
سب کو وداع کر کے روانہ ہوئے امامؑ
اہلِ حرم کو ساتھ لئے باصد احترام
اس رکنِ دیں نے کعبے میں جا کر کیا قیام
تھا قصدِ حج حبیبِؐ خدا کے حبیبؑ کو
واں بھی ملا نہ چین حسینؑ غریب کو
صحرائے کربلا میں ہوا جب ورودِ شاہؑ
اُس رہبرِ زمانہ کی واں آکے روکی راہ
منظور تھا کہ ہو دیں بنی فاطمہؑ تباہ
چاروں طرف سے قتل کو آنے لگی سپاہ
دریا تھا گردِ موج زن افواجِ شام کا
تھا جُوں حباب بیچ میں خیمہ امامؑ کا
پیاسے مُسافروں کو جو شب خوں کا خوف تھا
خیمے کے گرد پھرتے تھے عباسؑ باوفا
مانندِ شیر دیتے تھے ہر بار یہ صدا
بیدار، ہوشیار، جوانانِ مرتضےٰ
نزدیک صبحِ جنگ ہے کچھ رات اب نہیں
آقا بھی جاگتے ہیں، یہ غفلت کی شب نہیں

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کے رُخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے
مُڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

نکلے پئے جہاد عزیزانِ شاہِ دیںؑ
نعرے کئے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہ کی صفوں میں چلے شیرِ خشمگیں
کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک
ہلتی رہی زمین لرزتے رہے فلک
کانپا کئے پروں کو سمیٹے ہوئے مَلک
نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگامِ ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

آئی ندائے غیب کہ شبیرؑ! مرحبا
اس ہات کے لئے تھی یہ شمشیر مرحبا
یہ آبرو، یہ جنگ، یہ توقیر، مرحبا
دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پہ
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

بس اے انیسؔ! ضعف سے لرزاں ہے بند بند
عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند
عالم پسند بند ہیں، سلطاں پسند بند
یہ فضل اور یہ بزم عزا یادگار ہے!
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے

حضرتِ مسلم ابنِ عقیلؑ

○

جب کوفیوں نے حضرتِ مسلم سے دغا کی
جو عہد کیا، ایک نے اُس پر نہ وفا کی
کی شرم خدا سے، نہ محمدؐ سے حیا کی
مظلوم پہ، بیکس پہ، مسافر پہ جفا کی
پانی نہ دمِ مرگ دیا تشنہ دہن کو
کِس ظلم سے ٹکڑے کیا آوارہ وطن کو

جانے کی کہیں راہ نہ تھی، بند تھے رستے
کوفی چلے آتے تھے کمرِ ظلم پہ کستے
گھیرے تھے سوارانِ ستمگار کے دستے
تھے نیچے یہ، اور کوٹھوں سے پتھر تھے برستے
جب وار نہ چل سکتا تھا اُس شیرِ ژیاں پر
انگارے لعیں پھینکتے تھے سوختہ جاں پر

نرغہ ہوا اُس شہہ کے ہراول پہ یکایک
تلوار سے کٹ کر گرے لب ہائے مبارک

پہلو پہ لگیں برچھیاں اور چھاتی پہ ناوک
دنداں بھی شکستہ ہوئے پتھر چلے یاں تک

آلودہ تھی سب ریش مبارک جو لہو سے
چھاتی پہ ٹپکتا تھا لہو ہر بُنِ مُو سے

جب غش میں گرا خاک پہ وہ بیکس و ناچار
اعدا نے کیا مسلم بیکس کو گرفتار

اُس زخمی کے بازو میں رسن باندھ کے یکبار
کوٹھے پہ جدا کرنے کو سر لے گئے کفّار

ٹکڑے ہوئے محمدؐ کا ہوا دل بھی جگر بھی
مارا گیا مسلم بھی ہوئے قتل پسر بھی

بیٹوں نے تو پایا بھی کفن آبِ رواں کا
اور باپ کو کیسا کفن اور غسل کہاں کا

کوٹھے پہ تو سر کٹ گیا اس تشنہ زباں کا
اور جائے کفن، خوں نے تنِ پاک کو ڈھانکا

خندق کے بھی رہنے نہ دیا غار میں لاشہ
رسّی سے پھرے کھینچتے بازار میں لاشہ

اعدا سے دمِ قتل جو کچھ کی تھی وصیّت
اس کو بھی بجا لائے نہ وہ اہلِ شقاوت
سب غاصبوں نے غصب کی جو کچھ تھی بضاعت
مقروض گیا خلق سے وہ صاحبِ ہمّت
نیزے پہ گیا شام کی جانب سرِ مسلمؑ
محتاج رہا گور کا بھی پیکرِ مسلمؑ

مکّے سے اُدھر ہو چکے تھے شاہؑ روانہ
منظور تھا کوفے کو بہ سُرعت انھیں جانا
مانع رہے احباب پہ حضرتؑ نے نہ مانا
تھا مدِّ نظر، امر جو کچھ دل میں تھا ٹھانا
یہ شوق شہادت کا تھا اُس عاشقِ رب کو
یعقوبؑ نمط جاتے تھے یوسفؑ کی طلب کو

ہر منزل و ہر دشت میں کرتے تھے یہ تقریر
پہنچا دے کہیں منزلِ مقصود پہ تقدیر
طے جلد ہو یہ راہ، گوارا نہیں تاخیر
اب وصل کا معشوق کے مشتاق ہے شبیرؑ
بھائی کی جدائی کا بڑا رنج و تعب ہے
مسلمؑ سے ملاقات نہ ہووے تو غضب ہے

جاتا تھا اسی سوچ میں وہ عاشقِ باری
جس دم کہیں سائے میں ٹھہرتی تھی سواری
پردے کو اٹھا مسلم مظلوم کی پیاری
حضرت سے یہ کہتی تھی چچا جانؑ میں واری
کب چاند سی صورت ہمیں دکھلائیں گے بابا!
کوفے سے ہمیں لینے کو کب آئیں گے بابا!

فرماتے تھے تب شاہؑ کہ اے باپ کی شیدا
گھبراتی ہے کیوں جلد ملے گا ترا بابا!
میرا بھی یہی حال ہے جو حال ہے تیرا
بھائیؑ کی ملاقات کو میں بھی ہوں تڑپتا
ہیں ساتھ ہوں بابا کے بھی ملنے کا یقیں ہے
صغرا کو تو دیکھو کہ کوئی پاس نہیں ہے

یہ کہہ کے چلے واں سے جو روتے شہِ والا
وارد ہوا اک دشت میں وہ دلبرِ زہراؑ
برپا کئے واں خیمہ اُردوئے معلّٰی
دن ڈھل گیا جب اور لگا پھیلنے سایہ
شہؑ نے کہا اب دیکھئے صحرا کو بھی چل کر
بیٹھے ہمہ تن خیمے سے کرسی پہ نکل کر

اُس روز تھے مغموم بہت حضرتِ شبّیرؑ
خاموش تھے خویش و رفقا صورتِ تصویر
ہر سُو نگراں تھے مگر افسردہ و دلگیر
تھا دھیان خبر پوچھوں جو آئے کوئی رہگیر
رخساروں پہ آنکھوں سے کبھی اشک رواں تھے
لب پر کبھی دنیا کی مذمت کے بیاں تھے
قاصد کوئی نامہ تھا جو مُسلمؑ کا نہ لایا
تشویش میں تھا حیدرِ کرّار کا جایا
ناگاہ اُسے اک مردِ مُسافر نظر آیا
بھجوا کے کسی کو اسے حضرت نے بُلایا
تسلیم کی اُس شخص نے جھک کر شہِ دیں کو
نعلینِ مُبارک پہ لگا ملنے جبیں کو
لے ہات میں ہات اُس کا اُٹھے سیّدِ والا
لے جا کے کنارے اُسے اس طرح سے پُوچھا
اے شخص تُو آتا ہے کدھر سے مجھے بتلا
وہ کہنے لگا کُوفے سے آتا ہوں میں شاہا
شہ نے کہا کُوفے کا مُسافر تُو اگر ہے
مسلمؑ مرے بھائی کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے؟

رو رو کے وہ کہنے لگا کس منہ سے کہوں آہ!
مسلمؑ کا بھی سر کٹ گیا ہانی کا بھی یا شاہؑ
اور پاؤں میں لاشوں کے رسن باندھ کے بدخواہ
بازار میں کھینچے لئے پھرتے ہیں سرِ راہ
دونوں سروں کی شام میں جانے کی خبر ہے
لاشوں کو سرِ دار چڑھانے کی خبر ہے

جب شہہ نے سنی یہ خبرِ مسلمؑ بے پر
رقت کا ہوا جوش لگے کانپنے تھر تھر
سینے میں تڑپنے لگا دل مثلِ کبوتر
منہ کر کے سوئے کوفہ کہا ہائے برادر
بلوا کے مدینے سے ہمیں مر گئے مسلمؑ
ہم کوفے تک آئے تو سفر کر گئے مسلمؑ

○

فرزندانِ مسلمؑ

جب قتل ہوا ایلچیِ سیّدِ والا
بچّوں پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
کوئی نہ یتیموں کا رہا پوچھنے والا
تھے ننھے سے سینوں میں کلیجے تہ و بالا
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے

پردیس میں معصوموں کا دشمن تھا زمانہ
نے بیٹھنے کی جا تھی، نہ رہنے کا ٹھکانا
بن باپ کئی روز سے کھایا نہ تھا کھانا
تقدیر میں غم کھانا تھا، یا اشک بہانا
سہمے ہوئے آپس میں یہی کہتے تھے اکثر
ساتھ آئے تھے، افسوس چلے باپ کو کھو کر

یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ ہجرِ پدر میں
تصویرِ اجل پھرتی تھی دونوں کی نظر میں

تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گذر میں
بیٹوں کو نہ مسلمؑ کے چھپائے کوئی گھر میں
تبلا دے کسی حجرے میں گر بند ہیں دونوں
حاکم کے گنہگار کے فرزند ہیں دونوں

دو[۲] طفلِ حسیں بھاگے ہیں کل قاضی کے گھر سے
کر لیجو گرفتار، جو آنکلیں اِدھر سے
خورشید سے ماتھے ہیں تو چہرے ہیں قمر سے
چھوٹے سے عمامے ہیں جو لپیٹے ہوئے سر سے
گوندھی ہوئی زلفیں بسرِ دوش پڑی ہیں
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں

ہر ناکے پہ تھا حکم یہ ان دونوں کی خاطر
دربار میں غل تھا کہ کرو جلد انھیں حاضر
اور پھرتے تھے حیراں وہ مدینے کے مسافر
کوئی نہ مددگار تھا، نے حافظ و ناصر
پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونوں
پتّا بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتے تھے دونوں

اِک پیر زن اتنے میں نظر آگئی ناگاہ
داماد کے آنے کی کھڑی دیکھتی تھی راہ
یُوں کہنے لگے اس سے بصد عجز وہ ذی جاہ
اِک دو پہر اس گھر میں اماں دو ہمیں، لِلّٰہ
معصوم ہیں ہم، بے وطن و زار و حزیں ہیں
مظلوم ہیں، سیّد ہیں، گنہگار نہیں ہیں

دونوں نے بہ منّت جو کہا اُس سے یہ رو رو
تھی مومنہ، معصوموں پہ رحم آگیا اُس کو
کہنے لگی ہیں تم کو چھپا رکھوں گی، کچھ ہو
میں صدقے گئی، آؤ مری بی بی کے پیارو
مہماں ہوئے جا کر ستم ایجاد کے گھر میں
دونوں کو اجل لے گئی جلّاد کے گھر میں

کھانا بھی نہ کھایا، نہ پیا دونوں نے پانی
اور سو رہے باہم مسلمؑ مظلوم کے جانی
وہ نیند نہ تھی موت کی گویا تھی نشانی
دروازے پہ آپہنچا اُدھر ظلم کا بانی
چلّایا ضعیفہ کو یہ زنجیر ہلا کر
کوسوں کا تھکا آیا ہوں در کھول دے آکر

در کھولا تو کس غیظ سے آیا وہ بداَفعال
پھینکا کہیں خنجر، کہیں تلوار، کہیں ڈھال
تھی ریش تو اُلٹی ہوئی مونچھوں کے کھڑے بال
اور دیدۂ بدبیں تھے جوں ساغرِ خوں لال
آواز بھی ایسی کہ گزرتی تھی فلک سے
ہلتی تھی زمیں پاؤں کے رکھنے کی دھمک سے

اس طیش میں کھانا بھی نہ جلّاد نے کھایا
پھر خواب اَجل نے اسے بستر پہ گرایا
باقی تھی پہر رات کہ پھر ہوش جو آیا
اِبلیس نے سوتے ہوئے فِتنے کو جگایا
پھولوں کی مہک حجرے سے دالان میں آئی
آواز بھی کچھ رونے کی پھر کان میں آئی

تاریک مثالِ دلِ کافر تھا وہ سب گھر
ہر سُو صفتِ گرگ لگا ڈھونڈنے اُٹھ کر
ظالم نے سرہانے سے لیا ہات میں خنجر
پکڑے ہوئے دیوار گیا حجرے کے اندر
واں مُسلمؑ مظلوم کے پیارے نظر آئے
اک بُرج میں دو عرش کے تارے نظر آئے

جس وقت نمودار ہوئے صبح کے آثار
دریا پہ چلائے کے یتیموں کو جفاکار
چلّاتی چلی پیچھے ضعیف جگر افگار
بن باپ کے بچّے ہیں یہ ظالم انھیں مار
کیوں فاطمہ زہراؑ کو رُلانا ہے کفن میں
دو پھول تو رہنے دے محمدؐ کے چمن میں

بچّوں کو لئے نہر پہ پہنچا جو وہ بے پیر
اور دیکھی یتیموں نے چمکتی ہوئی شمشیر
دل ہل گئے ہٹ ہٹ کے یہ کی دونوں نے تقریر
کر رحم کہ معصوم ہیں ہم بیکس و دلگیر
مظلوم ہیں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہے
ظالم نے کہا، رحم مرے دل میں نہیں ہے

ناگاہ چلی ظلم کی تلوار بڑے پر
بالائے زمیں کٹ کے ستارہ سا گرا سر
دریا میں ستمگار نے پھینکا تنِ اطہر
چلّا کے یہ چھوٹے نے کہا ہائے برادر
دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دستِ عدو میں
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

آیا جو شقی تیغ علم کر کے دوبارا
چلّانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا
مادر کو پکارا کبھی بابا کو پکارا
جلّاد نے تن پر سے سر اس کا بھی اُتارا
دھبّا بھی نہ خوں کا لگا شمشیرِ عدو میں
بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

خاموش انیسؔ! اب کہ ہے دل پر الم و رنج
یہ مرثیہ تولیں گے جواہر ہیں سخن سنج
دنیا کی دورنگی سے نہ کر دل میں تشش و پنج
مومن جو ہیں اُن کے لئے یاں رنج ہے واں گنج
مطلب نہ کسی سے نہ علاقہ ہے کسی سے
لیویں گے صلہ اس کا حسینؑ ابنِ علیؑ سے

○

حسینیوں کا سفر

○

کعبے سے کیا جب کہ سفر قبلۂ دیں نے
چھوڑا وہ مکاں دوشِ محمدؐ کے مکیں نے
پائی نہ اماں رازِ الٰہی کے امیں نے
عزمِ سفرِ مرگ کیا گوشہ نشیں نے
در پے تھے عدو سبطِ رسولِ مدنیؐ کے
مہلت نہ ملی حج کی، نواسے کو نبیؐ کے

یارانِ وطن سے بھی چھٹے، گھر سے بھی چھوٹے
بیٹی سے چھٹے، قبرِ پیمبرؐ سے بھی چھوٹے
کچھ بس نہ چلا، تربتِ شبرؑ سے بھی چھوٹے
اور فاطمہؑ کے مرقدِ انور سے بھی چھوٹے
مضطر کیا بے دینوں نے کعبے میں بھی آکے
راحت نہ ملی شہر میں، نے گھر میں خدا کے

کعبے میں مدینے سے یہ سوچ کے آئے
تھے اہلِ حرم کو بھی اسی واسطے لائے
اللہ کے گھر میں کوئی شاید نہ ستائے
سو، واں بھی یہ تھا خوف کہ حج کرنے نہ پائے
اللہ نے پیدا کیا کعبے میں علیؑ کو
اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو

احرام تلک باندھ چکے تھے شہِ ابرارؑ
جو کھل گیا احمدؐ کے نواسے پہ یہ اسرار
ہیں قافلۂ حاج کے ہمراہ ستم گار
یا قتل کریں طوف میں یا کرلیں گرفتار
پایا جو تردّد کا محل سرورِ دیں نے
عمرے سے دیا حج کو بدل سرورِ دیں نے

اعمال میں حج کے تو یہ ہے حکمِ خدا کا
پہنچے کو نہ دو عالمِ احرام میں ایذا
اللہ کا وہ گھر، یہ محمدؐ کا نواسا
سیّد کے ستانے کو وہاں آئے تھے اعدا
گر کھولتا احرام نہ پیارا وہ نبیؐ کا
کعبے میں گلا کاٹتے فرزندِ علیؑ کا

مضطر تھے شبِ ہشتم ذی الحجہ کو شبّیرؑ
تھا قصدِ مصمّم کہ سوئے کوفہ ہوں رہگیر
کرتے تھے کبھی یاس سے رو رو کے یہ تقریر
اب یاں سے کہاں دیکھیے لے جاتی ہے تقدیر
پھر کر جو وطن جائیں تو جانا نہ ملے گا
اب ہم کو بجُز قبر ٹھکانا نہ ملے گا

چڑھنے لگے رہوار پہ جب سبطِ پیمبرؐ
فریاد سوئے کعبہ یہ کی ہات اُٹھا کر
چُھٹتا ہوں ترے گھر سے میں اے خالقِ اکبر
اِس سال ہوا حج بھی نہ خادم کو میسّر
پاس آن کے دَر سے جو ترے دُور چلا ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ مجبور چلا ہوں

بچّے مرے ہمراہ ہیں، گرمی کا سفر ہے
رستہ بھی خطرناک ہے منزل پہ بھی ڈر ہے
پر فضل و کرم پر ترے بندے کی نظر ہے
ناگاہ صدا آئی کہ کیا تجھ کو خطر ہے
ہر حال میں سایہ ترے سر پہ ہے ہمارا
ہم پاس ہیں تیرے، ترا دل گھر ہے ہمارا

کعبے کی جدائی سے عبث ہوتا ہے مضطر
حاجی سے مجاہد کا کہیں رتبہ ہے بہتر
جس راہ میں جاتا ہے تو اے سبطِ پیمبرؐ
اک ایک قدم پر ہے ثوابِ حجِ اکبر
الفت ہمیں تیری ہے، تجھے چاہ ہماری
یہ گھر ہے ہمارا، تو وہ ہے راہ ہماری

گھر چھوڑ کے جنگل کو چلا شہر کا والی
بطحا ہوا برباد، مدینہ ہوا خالی
تھا سایۂ حق، سایۂ شاہنشہِ عالی!
شیعوں پہ تباہی ستم ایجادوں نے ڈالی
بھولیں گے نہ اشفاق حسینؑ ابن علیؑ کے
پائیں گے کہاں ہائے نواسے کو نبیؐ کے

لکھی ہے زرارہ بنِ صلح نے روایت
اک دم میں ہوئی فوج ملائک کی یہ کثرت
جز حق نہ شمار ان کا تھا ممکن کسی صورت
اس وقت زرارہ سے یہ کہنے لگے حضرت
یاور مرے دیکھے؟ مرے غمخواروں کو دیکھا
کیوں سیدِ بیکس کے مددگاروں کو دیکھا؟

پھر کہنے لگے ہنس کے زرارہ سے یہ سرور
خالق کی عنایت ہے یہ ساماں ہے میسّر
چاہوں تو کروں جنگ میں اس فوج سے جا کر
کس زیست پہ ہوں طالبِ جمعیّتِ لشکر
خود ہے مجھے منظور کہ سر تن سے جُدا ہو
تا مغفرتِ اُمّتِ محبوبِ خدا ہو

یہ کہہ کے زرارہ سے چلے سرورِ ذی شاں
جو آئی پَرا باندھے ہوئے فوجِ بنی جاں
سردار نے کی عرض کہ اے دین کے سلطاں
ہم شیعہ ہیں، بخشا ہے علیؑ نے ہمیں ایماں
ہم آپ کو لڑنے کے لیے جانے نہ دیں گے
فرزندِ یداللہ پہ آنچ آنے نہ دیں گے

کس قوم سے درپیش ہے حضرت کو لڑائی؟
مولا نے غلاموں کی نہ کیوں جان بچائی
کون ایسے ہیں سرکش؟ انھیں کچھ شرم نہ آئی
کرتے ہیں محمدؐ کے نواسے سے لڑائی
جنگ اُن سے کریں، دیجیے ہمیں حکم وغا کا
جو آپ کا دشمن ہے وہ دشمن ہے خدا کا

شہؐ نے کہا، شرم آتی ہے کیا نام بتاؤں
وہ اُمّتِ احمدؐ ہیں، ہیں کیا اُن کو ستاؤں

غیر اُن کو جو سمجھوں تو بلا سے یہ نہ جاؤں
سب مجھ کو گوارا ہے جو تکلیف اُٹھاؤں

کیوں کر اُنھیں برباد کروں حجّتِ حق ہوں
لازم ہے مجھے رحم کہ ہیں رحمتِ حق ہوں

جنّات یہ سُنکر گئے کرتے ہوئے زاری
اور آگے بڑھی سبطِ پیمبرؐ کی سواری

یُوں جاتا تھا وہ قافلہ عاشقِ باری
جس طرح گلستاں سے چلے بادِ بہاری

پڑتی تھی یہ گرمی کہ مسافر تھے قلق میں
ڈوبے ہوئے تھے فاطمہؑ کے پھول عرق میں

گرمی کی اِسی طرح اُٹھاتے ہوئے ایذا
طے منزلیں کرتے تھے شہِ یثرب و بطحا

جو کوفے سے اِک مردِ مسافر ہوا پیدا
مستفسرِ حال اُس سے ہوئے سیّدِ والا

دل ٹکڑے ہوا سینے میں اُس خستہ جگر کا
رونے لگا منہ دیکھ کے زہراؑ کے پسر کا

رو کر کہا، اے حیدرِ کرار کے جانی
کیا عرض کروں قتل ہوئے مسلمؑ و ہانی
جس دم یہ سُنا شہہ نے مسافر کی زبانی
آنکھوں سے بہے اشک، جگر ہو گیا پانی
فرمایا کہ راحت میں ہماری خلل آیا!
منزل پہ نہ پہنچے کہ پیامِ اجل آیا
واں شہہ نے رفیقوں کو بلا کر یہ سُنایا
بیعت سے مری کوفیوں نے ہات اُٹھایا
مسلمؑ کا بھی سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھایا
ہیں پھر کے نہیں جانے کا، آیا تو اب آیا
اب شب کو چلا جائے وہ گھر جانا ہو جس کو
اب ساتھ وہی دے مرا، مر جانا ہو جس کو
یہ سنتے ہی رونے لگے، مسلم کے وہ دلدار
اسلام کے لشکر میں تلاطم ہوا اک بار
سر کھول کے بیٹھے حرمِ احمدِ مختار
تھا شور کہ آفت میں پھنسے سیّدِ ابرار
کوفے میں بُلا کر یہ دغا کرتے ہیں اعدا
اب دیکھیں نبی زادے سے کیا کرتے ہیں اعدا

مسلمؑ کی خبر سے یہ ہوا خوف دلوں پر
چھُپ چھپ کے اسی شب کو روانہ ہوئے اکثر
یا تھے کہیں خیمے کہیں پالیں، کہیں بستر
یا تین پہر رات میں خالی ہوا لشکر
تا شام تو سب یاورِ سلطانِ زمن تھے
ظاہر جو ہوئی صبح، تو ہفتاد و دو تن تھے

جب واں سے نمازِ سحری پڑھ کے چلے شاہ
مسلمؑ کو حرم روتے چلے جاتے تھے ہمراہ
وارد ہوئے اک دشتِ بلاخیز میں ناگاہ
چلنے سے رُکا، واں فرسِ سرورِ ذی جاہ
فرمایا، کہ کیا جانیئے یہ کون سی جا ہے
ہاتف نے صدا دی کہ یہی دشتِ بلا ہے

مدینے سے کربلا تک

o

فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے
سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیروزبر ہے
گُل چاک گریباں ہیں، صبا خاک بسر ہے
گل رُو صفتِ غنچہ کمربستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں
رُخصت کے لئے لوگ چلے آتے ہیں باہم
ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم
غُل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم
خدّام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبیؐ کے
روضے پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

تدبیرِ سفر میں ہیں ادھر سبطِ پیمبرؐ
گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور
تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبرؑ
شہ کو جنھیں لے جانا ہے وہ پلتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل، چلے آتے ہیں گھوڑے

عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصد غم!
کہتی ہیں یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہیں کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
فرش اُٹھتا ہے کیا، بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر
اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ؟
سمجھاتیں نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر!
مسلمؑ کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبرِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہراؑ کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

ان بی بیوں سے کہتی تھیں یہ شاہ کی ہمشیر
بہنو! ہمیں یثرب سے لئے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ
مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ پکارے شہ عادلؑ
تیار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہوگی کہیں آج کی منزل
رخصت کرو لوگوں کو بس اب رونے سے حاصل؟
چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں، گرمی کا سفر ہے

میدان شہادت میں جو وارد ہوئے سرورؑ
واں گھاٹ پہ اترا ہوا تھا شام کا لشکر
برپا ہوئے ریتی پہ خیام شہ صفدرؑ
پانی نہ کئی دن ہوا پیاسوں کو میسر
عباسؑ کو پانی کے نہ ملنے کا الم تھا
بھائی کی بھی تھی فکر سکینہ کا بھی غم تھا

وہ باغ تو سب تین پہر میں ہوا پامال
اب سروِ گلستانِ محمدؐ کا سنو حال
دشمن تو ہیں نو لاکھ اور اک فاطمہؑ کا لالؑ
سر تیغوں سے زخمی ہے بدن تیروں سے غربال
پہنچا نہیں دو روز سے پانی جو دہاں میں
ہیں پیاس سے کانٹے گُلِ زہراؑ کی زباں میں

عمامۂ محبوبِ خدا خون میں تر ہے
مخدومۂ عالم کی ردا خون میں تر ہے
بہتا ہے لہو سر سے، گلا خون میں تر ہے
سارے تنِ اطہر کی قبا خون میں تر ہے
گرمی کی بھڑک تھی کہ جھکے جاتے تھے شبیرؑ
رہوار کی گردن پہ جھکے جاتے تھے شبیرؑ

آتی تھی صدا حضرتِ زہراؑ کی یہ اُس آن
صدقے ترے اے قومِ دغا پیشہ کے مہمان
لُو چلتی ہے اور دھوپ کی شدت ہے مری جان
کچھ روک لو سائے کے لئے، سر پہ ہیں قربان
یہ دھوپ کا صدمہ نہ سہا جائے گا واری
دو روز کے پیاسے ہو غش آجائے گا واری

قبضے میں ہے مولا کے یداللہ کی شمشیر
پر صبر کے جوہر اُنھیں دکھلاتے ہیں شبیرؑ
ہر زخم پہ ہے شکر، ہر اک تیر پہ تکبیر
فرماتے ہیں راضی ہوں میں اے مالکِ تقدیر
کھانے کی، نہ پانی کی، نہ راحت کی طلب ہے
یارب! مجھے اُمت کی شفاعت کی طلب ہے
یہ کہتے تھے حضرت کہ بڑھے برچھیوں والے
اور آنے پس پُشت سواروں کے رسالے
دہنے کو پیادے گئے تلواریں نکالے
زہراؑ کے جگر بند پہ چلنے لگے بھالے
غُل تھا کہ کرو ٹکڑے محمدؐ کے جگر کو
گھوڑے پہ سنبھلنے نہ دو زہراؑ کے پسر کو
ناگاہ گرے گرم زمیں پر شہِ ابرار
آثار قیامت کے ہوئے رن میں نمودار
اور ہائے پئے قتل بڑھا شمرِ ستمگار
گردن پہ نمازی کے پھرا خنجرِ خونخوار
فرزندِ زبردستِ یداللہ کو مارا
شبیرؑ کو کیا احمدِ ذی جاہ کو مارا

خاموش انیس! آہ بہت رنج و محن ہے
مجلس میں بپا ماتمِ سلطانِ زمن ہے
صد شکر کہ تو ناظمِ اقلیمِ سخن ہے
یاں موتیوں سے بھرنے کے قابل یہ دہن ہے
رکھ دل کو غنی ذکرِ امامِ ازلی میں
قدر اس کی ہے سرکارِ حسینؑ ابنِ علیؑ میں

(۵)

رباعی

کیوں زر کی ہوس میں دربدر پھرتا ہے
جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ ری پیری میں ہوس دنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

میدانِ کربلا

○

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا
دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
سر جھک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہوا
خورشید محوِ حُسنِ حُسینِ حسیں ہوا
پایا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے!
جنگل کو چاند لگ گئے زہرا کے نور سے!

دشتِ وغا میں نورِ خدا کا ظہور ہے
ذرّوں میں روشنیٔ تجلّیٰ طور ہے
اک آفتابِ رُخ کی ضیا دور دور ہے
کوسوں زمین، عکس سے دریائے نور ہے
اللہ رے حُسن طبقۂ عنبر سرشت کا
میدانِ کربلا ہے نمونہ بہشت کا

ہے آبِ نہر صورتِ آئینہ جلوہ گر
تاباں ہے مثلِ چشمۂ خورشید ہر بھنور
لہریں لبانِ برق چمکتی ہیں سر بہ سر
پانی پہ مچھلیوں کی ٹھہرتی نہیں نظر
یہ آب و تاب ہے کہ گہر آب آب ہیں
دریا تو آسماں ہے ستارے حباب ہیں

صحرا پہ ہر طرف شہِ دیں نے نگاہ کی
سب تھم گئی سپاہ شہِ کم سپاہ کی
فرمایا آج چھٹ گئے ایذا ہے راہ کی
ہاں اب پسند کر لو جگہ خیمہ گاہ کی
آگے کہیں نہ جائیں گے اس ارض پاک سے
الفت ہماری خاک کو ہے یاں کی خاک سے

مشتاق اس نواح کا تھا فاطمہ کا لال
رہتا تھا خواب میں بھی اسی دشت کا خیال
آفاق میں یہ ارضِ مقدس ہے بے مثال
سبزہ یہاں کا رحمتِ خالق سے ہے نہال
اب تک کسی صدف کو نہ ایسے گہر ملے
گردوں کو ایک اس کو بہتر قمر ملے

کی سروِ بوستان حسنؑ نے یہ گفتگو
آتی ہے اِس زمیں کے گلوں سے دُلہن کی بُو
اکبرؑ یہ بولے، تھی ہمیں صحرا کی آرزو
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ نیک خُو
یاں کون سی جگہ تمہیں بھائی پسند ہے
اُس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

پھیلا جو نورِ مہرِ امامت دمِ زوال
ذرّوں سے واں کے آنکھ ملانا ہوا محال
سارے نہال فیضِ قدم سے ہوئے نہال
اختر بنے جو پھول تو شاخیں بنیں ہلال
ٹیلے تمام آئینۂ نور ہو گئے
صحرا کے نخل سب شجرِ طور ہو گئے

زہراؑ کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی
غازی جہاں چلے وہ زمیں کہکشاں ہوئی
سب ارضِ پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی
ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکاں ہوئی
دامن جو پاک صاف تھا دشتِ مصاف کا
احرام باندھا کعبے نے اس کے طواف کا

ہاتف نے دی صدا کہ زہے شانِ کربلا
مختارِ کائنات ہے مہمانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا
بس اب تو اُن و بہشت ہے بُستانِ کربلا
خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جس سے عرش وہ دُرِ نجف ملے

یہ دشتِ ہولناک کہاں یہ چمن کہاں
جنگل کہاں، بتولؑ کے گل پیرہن کہاں
کُنبہ کہاں نبیؐ کا، یہ دارِ محن کہاں
قبریں کہاں شکستہ دلوں کی؟ وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

خوشبو سے ان گلوں کی ہُوا دشت باغ باغ
غنچے کھلے ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہنچا سرِ فلک پہ ہراک کوہ کا دماغ
دریا نے بھی حبابوں کے روشن کئے ایاغ
خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذرّوں نے خاک کے

جنگل میں بن گیا شجرِ طور ہر درخت
بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کے رخت
آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت
اب اس زمیں پہ سوئے گا مختارِ تاج و تخت
رفعت کا اس کی فرش سے غل عرش تک گیا
لو آج خاک کا بھی ستارہ چمک گیا

بولے فرس کو روک کے شاہِ فلک وقار
منزل پہ ہم پہونچ گئے، احسانِ کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار
یہ وہ زمیں ہے جس کے لیے دل تھا بے قرار
قربان اس مکانِ سعادت نشان کے
پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے

اُترو مسافرو! کہ سفر ہو چکا تمام
کوچ اب نہ ہوگا، حشر تلک ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے یہی مشہدِ امام
اُونٹوں سے بار اُتار کے برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے اس ارضِ پاک پر
چھڑکا ہُوا ہے آبِ بقا یاں کی خاک پر

سجدے کریں گے جس پہ مَلک وہ زمیں ہے یہ
جس پر کھُدا ہے نقشِ شفا وہ نگیں ہے یہ

بطحا یہ ہے، مدینۂ اربابِ دیں ہے یہ
کعبہ یہ ہے، نجف یہ ہے، خُلدِ بریں ہے یہ
تھی اِس زمیں کی قدر رسولانِ پاک کو
آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

بولے، یہ ہات جوڑ کے عباسِ نامور
خیمہ کہاں بپا کریں یا شاہِ بحر و بر؟
ایذا ہے محملوں میں بہت اہلِ بیتؑ پر
بچّے ہیں نازکی میں گلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے چھُٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے رُکے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا
زینبؑ جہاں کہیں وہیں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسِ باوفا
جا کر قریبِ محملِ زینبؑ یہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار امامِ غیور کا!
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضورؑ کا

بولی یہ سُن کے دخترِ خاتونِ روزگار
اِس امر میں بھلا مجھے کیا دخل، میں نثار
خشکی ہو یا ترائی، چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
مختارِ کائنات کے تم نورِ عین ہو
اُترو وہاں، جہاں مرے بھائی کو چین ہو
آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتوں میں چار مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیاں، یہ گرمی کے ایام، یہ سفر
دن بھر چلے ہیں دھوپ میں، جاگے ہیں رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے، جنگل اُجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہِ جبل میں پہاڑ تھا
دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
تشویش کچھ نہ کیجے اے بنتِ مرتضےٰ
ہر چند مصلحت مری کیا، اور عقل کیا
لیکن کوئی ترائی سے بہتر نہیں ہے جا
دخل اسمیں رُوم کا ہے نہ سلطانِ شام کا
دنیا کی سب زمیں یہ ہے قبضہ امام کا

حضرت کے حکم کا متصدی ہے جاں نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار

آیا حضورِ سبطِ پیمبرؐ وہ ذی وقار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار

اُنہیں ہیں یہ مرضیٔ آلِ رسولؐ ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

ہر دم رہے انیسؔ زباں پر خدا خدا
بحرِ جہاں میں کون کسی کا ہے آشنا

دل داریٔ و محبت و دل جوئی و وفا
معدوم ہے بصورتِ عنقا و کیمیا

گستاخ ہو کے عرض کیا ہے معاف ہو!
ہم نے تو ایک دل کو نہ دیکھا کہ صاف ہو

○

دشتِ بلا

○

طے کر چکے حسینؑ جو راہِ ثواب کو
مقتل نظر پڑا شہہِ گردوں رکاب کو
الفت جو واں کی خاک سے تھی اُس جناب کو
اک عید ہو گئی خلفِ بُوتراب کو
دل مثلِ غنچہ واں کی ہوا کھا کے کھل گیا
رستہ ریاضِ خلد میں جانے کا مل گیا

شکرِ خدا کہ رنجِ سفر سے ہوا فروغ
غربت کے اشتیاق میں بھولا وطن کا داغ
خاطر شگفتہ ہو گئی اور دل ہے باغ باغ
طبقہ یہ حشر تک نہیں ہونے کا بے چراغ
حاصل ملے گا حشر میں اِس ردّ و کشت کا
روئے زمیں پہ ہے یہی ٹکڑا بہشت کا

عالم میں قدر و منزلت اس کی سوا ہوئی
گرد اس کی بہرِ چشمِ ملک توتیا ہوئی
ہر درد کی خدا کے کرم سے دوا ہوئی
یہ خاکِ پاک آج سے خاکِ شفا ہوئی

تیغِ عذاب حق سے لحد میں پناہ ہو
طوفاں میں پاس ہو تو نہ کشتی تباہ ہو

دریا کو دیکھ دیکھ کے لہرا رہا ہے دل
پانی بھی خوشگوار، ہوا بھی ہے معتدل
مولاؑ قدم پکڑتی ہے کچھ یاں کی آب و گل
بہتر ہے، گر خیام ہوں ساحل کے متصل
پانی سے ہات منہ کو لبِ نہر دھوئیں گے
جاگے بہت ہیں پاؤں کو پھیلا کے سوئیں گے

فرمایا شہؑ نے خیر، جو اللہ کی رضا
موقع ہو جس جگہ وہیں خیمے کرو بپا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا
رہتے ہیں دھوپ میں بھی بہت بندۂ خدا
دو چار دن میں عمر کی مدت تمام ہے
میداں سے پھر غرض ہے نہ دریا سے کام ہے

زینبؑ نے جب یہ سرورِ دیں سے سنا کلام
محمل سے یوں پکاری کلیجے کو تھام تھام
کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک لی لگام
بھیّا اِدھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام
بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے؟
اس دشتِ پُرخطر میں اُترنا تو قہر ہے!

جنگل میں ہے بشر کے لئے سو طرح کا ڈر
اُٹھتے ہیں بار بار بگولے اِدھر اُدھر
دن کٹ گیا تو ہوئے گی شب کس طرح بسر
لشکر میں غل رہے گا درندوں کا رات بھر
بچّے بھی مارے ہَول کے ہیں تر پسینے میں
میرا تو دل ابھی سے اُچھلتا ہے سینے میں

اِس سرزمیں کے گل نظر آتے ہیں مجھ کو خار
نشتر سے کم نہیں رگِ جاں کو یہ سبزہ زار
یہ بادِ تُند و تیز ہی ہوتی ہے دل کے پار
اِس بَن کی خاک سے مری خاطر پہ ہے غبار
کیا رنگ آگے دیکھئے قسمت دِکھاتی ہے
یاں کی زمیں سے خون کی بُو مجھ کو آتی ہے

لوگو! مجھے بتاؤ یہ دریا ہے یا سراب؟
کاٹے سروں کے ہیں کہ یہ ہیں ساغر حباب؟
موجوں کو دیکھ دیکھ کے ہے دل کو پیچ و تاب
ڈوبا ہے کون؟ شور ہے کیسا میانِ آب؟
دھاریں لہو کی مل گئیں دریا کی موج میں
لہریں یہ ہیں کہ چلتی ہیں تلواریں فوج میں

پوچھو کسی سے مسلمِ مظلوم کی خبر
تربت مرے غریب مسافر کی ہے کدھر
بچوں کے اُس کے کیا یہیں کاٹے گئے ہیں سر؟
لاشے بہا دیے اسی دریا میں کھینچ کر؟
رنج و غم و الم کی گھٹا دل پہ چھائی ہے
اماں کے پیٹنے کی صدا مجھ کو آئی ہے

یوں نہر کی ترائی میں کوئی ہے نوحہ گر
مرتا ہے جس طرح سے کسی کا جواں پسر
صاف آتی ہے صدا کہ فدا تجھ پہ ہو پدر
یاں سوئے گا تو نے مرے عباسِ نامور
وسواس کا مقام ہے، جا گہ قلق کی ہے
پہچانتی ہوں میں یہ صدا شیرِ حق کی ہے

غش کھا کے اب میں گرتی ہوں مجھ میں نہیں حواس
عباس کو بلاؤ کہ آئیں بہن کے پاس
اصغر بلک رہا ہے سکینہ کو ہے ہراس
خیمے یہاں ہوئے، تو ہوئی زندگی سے یاس
نقشہ وہ پھر گیا مری چشم پُر آب میں
ایسا ہی دشت تھا، جسے دیکھا تھا خواب میں

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
اُترو یہیں کہ خوف کی جاگہ نہیں بہن
یہ نہرِ علقمہ ہے یہ ہے کربلا کا بَن
آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کے وطن
رہنے میں اس جگہ کے ضرر کیا فقیر کا
خیمہ یہاں ہوا تھا جنابِ امیرؑ کا

کچھ مال و زر نہیں کہ تلف ہو جس کے ڈر
یکساں ہے بے وطن کے لئے شہر و دشت و در
مسکن یہی زمیں ہے یہی ہے گھر دل کا گھر
کیا جانے اس مقام سے ہو کس طرف سفر
انساں کو چاہیئے کہ گناہوں سے پاک ہو
شاید ہماری خاک اسی بن کی خاک ہو

یہ سُن کے بنتِ فاطمہؑ نے کی جگر سے آہ
بولیں: یہ کربلا ہے، تو لو ہم ہوئے تباہ
ہے ہے حسینؑ کو نہ ملے گی کہیں پناہ!
ڈوبے گا بحرِ خوں میں دو عالم کا بادشاہ

سر پر اُڑا دی ہے اس سرزمیں کی خاک
شیشے میں رکھ گئے ہیں محمدؐ یہیں کی خاک

اُترے فرس سے حضرتِ عباسؑ نیک نام
بٹھلائے اونٹ، خیمے کے سب کھینچ کر زمام
فراش چاہتے تھے کہ برپا کریں خیام
تلواریں کھینچ گھاٹ پہ آ پہنچی فوجِ شام

زینبؑ کے دل پہ ظلم کی زنجیر پھر گئی
شہ کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی

○

شبِ عاشور

○

جب ساتویں تاریخ کی مقتل میں شب آئی
غربت میں نبیؐ زادوں پہ آفت عجب آئی
شب آئی کہ فوجِ غم و رنج و تعب آئی
تھا شور کہ بس موت غریبوں کی اب آئی
راحت نے کنارا کیا زہراؑ کے پسر سے
پانی بھی ہوا بند اُسی شب کی سحر سے

ہشتم کو مصیبت تھی، قیامت تھی نہم کو
اک حشر تھا خیمے میں یہ رقت تھی نہم کو
بچوں پہ عجب پیاس کی شدت تھی نہم کو
اللہ نہ دِکھلائے جو آفت تھی نہم کو
وہ دن بھی کٹا جب تو مصیبت کی شب آئی
کھولے ہوئے بالوں کو شہادت کی شب آئی

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اس شب کی سیاہی
ہے چار طرف جس کی سیاہی سے تباہی
مرغانِ ہوا، بر میں تپاں، بحر میں ماہی
تربت سے نکل آئے تھے محبوبِ الٰہی

فریاد کا تھا شور رسولانِ سلف میں
یثرب میں تزلزل تھا، اُداسی تھی نجف میں

صدمے سے ہوا رنگِ رُخِ ماہ سے کافور
اختر بھی بنے مردمکِ دیدۂ بے نور
غم چھا گیا، راحتِ دلِ عالم سے ہوئی دُور
تصویرِ الم بن گئی جنت میں ہر اک حُور
کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی
تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

شمعِ طربِ محفلِ عالم تھی جو خاموش
تھی رات بھی شبیرؑ کے ماتم میں سیہ پوش
کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش
ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش
مضطر تھے علیؑ، اشکوں سے منہ دھوتی تھی زہراؑ
مقتل تھا جہاں شاہ کا، واں روتی تھی زہراؑ

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا
آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا
خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی منہ پہ حرمِ شیرِ خدا کے
تھا چین بہ جبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں!
تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
ڈر کا تھا کہ دشمن سے نہ جانیں کہیں جائیں
روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری
غش ہو گئی تھی بالی سکینہ کئی باری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری
یا حضرت عباسؑ! چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

بتلاؤ شبیہِ حق دلبر کیوں نہیں آتے؟
اب رات بہت کم ہے پدر کیوں نہیں آتے؟
آزردہ ہیں کچھ مجھ سے ادھر کیوں نہیں آتے؟
کیا آج وہیں سوئیں گے گھر کیوں نہیں آتے؟
اب پیاسوں کی فریاد بھی بابا نہیں سنتے
حضرت مرے رونے کی صدا کیا نہیں سنتے

حضرتؑ نے کہا میں تری آواز کے قرباں
اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جاں
غربت میں کہاں راحت و آرام کا ساماں
بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آں
اچھی نہیں عادت یہ اٹھ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

تھی سب سے سوا بنتِ علیؑ مضطر و بے تاب
فق ہو گیا تھا شام سے منہ صورتِ مہتاب
مژگاں پہ رخِ پاک سے تھی بارشِ خوں ناب
تلوار کلیجے پہ چلے جب تو کہاں تاب
اک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پر
اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

کہتی تھی کبھی آج پیمبرؐ نہیں ہے ہے
حال اپنا دکھاؤں کسے حیدرؑ نہیں ہے ہے
بیٹی پہ فلک ٹوٹا ہے مادر نہیں ہے ہے
شبّیرؑ مصیبت میں ہے شبّرؑ نہیں ہے ہے
دیکھا، نہ سنا یہ جو ستم آج ہے لوگو!
نازوں کا پلا پانی کا محتاج ہے لوگو!

ان کا تو یہ احوال ہے، بانو کا یہ عالم
اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہ تھی اک دم
اصغرؑ کی بھی ہے فکر، سکینہؑ کا بھی ہے غم
شش ماہ کا بچّہ بھی ہوا جاتا ہے بے دم
گودی میں اُٹھائیں اُسے یا اِن کو سنبھالیں
دو روز کے فاقے میں یہ کس کس کو سنبھالیں

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہؑ کے انصار
عبّاسؑ سے کہتا تھا یہ وہ کُل کا مددگارؑ
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار
ڈر ہے، نہ کرے بے اَدبی لشکرِ کفّار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
اے چاند ید اللہ کے شب دوپہر آئی
حضرتؑ کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی
دل یادِ خدا کرنے لگا، چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریٔ شب کا!
اے تشنہ لبو! وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

٥

رُباعی

اب خواب سے چونک وقتِ بیداری ہے
لے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے
مر مر کے پہنچتے ہیں مسافر واں تک
یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

صبحِ عاشور

○

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیںؑ نے
سجدوں میں فہم عشق کی سمر کی شہِ دیںؑ نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہِ دیںؑ نے
مڑ کر رُخِ اکبرؑ پہ نظر کی شہِ دیںؑ نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا!
لو اُٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا
سجدوں سے نمازوں سے یہ رفعت کی سحر ہے
رونے کی تذلل کی عبادت کی سحر ہے
پیارے یہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہے
عاشورِ محرّم ہے، شہادت کی سحر ہے
لُٹنے کا، تباہی کا، پریشانی کا دن ہے
اولادِ پیمبرؐ کی یہ قربانی کا دن ہے!

وہ نور کا تڑکا وہ دم صبح کی سردی
جنگل میں گلوں کی کہیں سرخی کہیں زردی
بھولی ہوئی تھی وحشیوں کو دشت نوردی
تکبیریں تھیں یاں بجتی تھی واں صبح کی وردی
سامان تھا واں قتل امام دوجہاں کا
یاں شور تھا گلدستۂ زہرا میں اذاں کا

منہ ڈھانپے ہے رونے کے لئے چرخ پہ مہتاب
ہر کھوئے ہے خورشید فلک چشم ہے پرآب
تاروں پہ بھی طاری ہے غم ایسا کہ نہیں تاب
سیاروں پہ ثابت ہے کہ راحت ہوئی نایاب
قتل پسر سید لولاک کا دن ہے
یہ خاتمۂ پنجتن پاک کا دن ہے

نرگس ہے خیاباں میں کھڑی ششدر و حیراں
اس سوگ میں سنبل کے بھی ہیں بال پریشاں
ہر سرو ہے مثل علم آہ نمایاں
اور ملتے ہیں پتے کف افسوس کو ہر آں
ماتم میں ہر اک گل کا گریبان پھٹا ہے
فریاد ہے غنچوں کے چٹکنے میں صدا ہے

نہروں کو بھی ہے جوشِ غمِ سبطِ پیمبرؐ
ہر موج ہے سینے پہ رواں صورتِ خنجر
روتے ہیں کنارے پہ کھڑے حیدرِ صفدرؑ
اِک دیدۂ پُرآب کی تصویر ہے کوثر
پیاسوں کے لیے جام جو بھر بھر کے دھرے ہیں
دو چشم کے ساغر ہیں کہ اشکوں سے بھرے ہیں

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی
یہ صبح دکھائے گی بھرے گھر کی صفائی
دولت نہ رہے گی، نہ بضاعت، نہ کمائی
بیٹے سے جُدا ہوگا پدر، بھائی سے بھائی
آج احمدؐ و حیدرؑ کے گریبان پھٹیں گے
اٹھارہ بنی فاطمہؑ کے حلق کٹیں گے

استادہ ہوئے بہرِ نمازِ سحری شاہؑ
صف باندھ لی سب نے عقبِ سیدِ ذی جاہ
حقا کہ عجب اخترِ تاباں تھے، عجب ماہ
ہر حال میں تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
مقبول تھی وہ پڑھ کے دوگانہ جو دعا کی
خالق نے انھیں دولتِ کونین عطا کی

فارغ ہوئے جب شکر کے سجدے سے وہ ابرار
تسبیحیں پڑھیں سب نے، سجے جنگ کے ہتھیار
ناموس کے خیمے میں گئے شاہِ خوش اطوار
حیرت سے نظر کی طرفِ خواہرِ غم خوار
فرمایا کہو غش ہے کہ سوتی ہے سکینہؑ
زینبؑ نے کہا شام سے روتی ہے سکینہؑ

بے آپ کے اس کو کبھی نیند آئی ہے بھائی
بچّوں کو دکھائے نہ خدا داغِ جُدائی
اس چاند سی چھاتی کی جو بُو اس نے نہ پائی
ماں پاس نہ لیٹی، نہ مری گود میں آئی
فرقت ہو تو اب اس کا خدا جانیے کیا ہو
سمجھا ہے کوئی باپ سے بچّہ جو ہلا ہو

بیٹی کا سُنا حال تو رونے لگے حضرتؑ
فرمایا کہ لکھی تھی اسی عمر میں فرقت
افسوس یہ سن اور یتیمی کی مصیبت
اللہ نگہبان ہم اب ہوتے ہیں رخصت
مشکل ہے پھر آنا ہمیں تیغوں کے تلے سے
لے آؤ کہ رو لیں اسے لپٹا کے گلے سے

روئے سخن یاس یہ سنکر حرم پاک
پہنی شہ والا نے تن پاک میں پوشاک
دستار یداللہ، قبائے شہ لولاک
گردوں پہ ہوئے غم سے ملائک کے جگر چاک
ان زلفوں میں دیکھا جو رخ اس خاصۂ رب کا
آنکھوں میں سماں پھر گیا معراج کی شب کا

شہ بولے کہ درپیش ہے مجھ کو وہ سفر آہ
اک ایک قدم جس میں ہیں سو صدمۂ جانکاہ
بھائی ہو کہ بیٹا ہو گدا ہو کہ شہنشاہ
جز نیک عمل جا نہیں سکتا کوئی ہمراہ
وہ راہ ہے دھڑکا سحر و شام ہے جس کا
پہلی ہے وہ منزل کہ لحد نام ہے جس کا

یہ کہہ کے چلے شاہ، بچھی یاں صف ماتم
گویا کہ ہوئی بزم عزا درہم و برہم
سر کھولے ہوئے بیٹھی تھی بانوئے پر غم
برپا تھا یہی شور کہ ہے ہے شہ عالم
در تک بھی نہ پہنچے تھے کہ غش کر گئی زینب
سر پیٹ کے فضہ نے کہا مر گئی زینب

نکلے درِ دولت سے شہنشاہِ فلک جاہؑ
پردے سے ہوئی جلوہ نما قدرتِ اللہ

اٹھارہ بنی فاطمہؑ تھے آپ کے ہمراہ
جھرمٹ تھا ستاروں کا زمیں پر عقبِ ماہ

تھا فرش سے تا عرش سماں جلوہ گری کا
ڈیوڑھی تھی دریچہ فلکِ نیلوفری کا

خاموش انیسؔ اب کہ جگر چاک ہے غم سے
بہتا ہے لہو اشک کی جا، دیدۂ نم سے

کر عرض بصد عجز شہنشاہِ اُمم سے
مولا مجھے محروم نہ رکھ اپنے کرم سے

کب تک غمِ دنیا میں گرفتار رہوں میں
آقا تو مرے آپ ہیں پھر کس سے کہوں میں

حسینی لشکر

○

کیا فوجِ حسینیؑ کے جوانانِ حسیں تھے
کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحبِ دیں تھے
آگاہ دل و اہلِ وفا، اہلِ یقیں تھے
غنچہ دہن و مہر لقا، ماہ جبیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہراؑ
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہراؑ

حقّا کہ عجب فوج تھی، فوجِ شہہِ ابرارؑ
جن لوگوں کا عبّاسؑ دلاور سا علم دار
ہمشکلِ پیمبرؐ سا جواں فوج کا سالار
مختار وہ مختار تھا جو خلق کا مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر
قاری کوئی قرآں کا کوئی ماہرِ تفسیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر
تھا شوق کہ اب حوروں سے ہوویں گے بغلگیر
نے پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

وہ عاشقِ صادق تھے وہ تھے مومنِ کامل
دی تھی اُنھیں خالق نے تمیزِ حق و باطل
کیا ہوش تھا کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل
کیا حُسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
محراب عبادت خمِ شمشیر کو سمجھے
جادہ وہ مسافر دمِ شمشیر کو سمجھے

مقبولِ خدائے دوجہاں تھے وہ جواں مرد
مرجانے پہ سرگرم تھے اور زیست سے دل سرد
ایک ایک جری دفترِ کونین میں تھا فرد
تابندہ تھے خورشید کی صورت رُخِ پرگرد
ایسے کبھی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں
کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں

مستِ مئے عرفان تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش
تھی غیرِ خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دنیا سے بری، بارِ علائق سے سبک دوش
دل یادِ الٰہی میں، جو یوں دیکھو تو خاموش
ہر دم سرِ تسلیم تھا خم راہِ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

وہ صوتِ حسَن، اور وہ اثر دار دُعائیں
وہ چاند سے رُخ، اور وہ نورانی قبائیں
وہ ان کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں
وہ دوش پہ شملے، وہ عمامے، وہ ردائیں
نے حور میں یہ حسن، نہ انساں نہ پری میں
گویا ملک اُترے تھے لباسِ بشری میں

مقبولِ خدا، صاحبِ دیں، زاہد و ابرار
ایسے نہ پیمبرؐ کو ملے یاور و انصار
برسوں جو رہے چرخ پہ یہ گنبدِ دوّار
پیدا نہ ہوں اس طرح کے اصحاب وفادار
حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر ان لوگوں نے، ہم رو نہیں سکتے

مرقوم ہے قرآں میں رُتبے شہدا کے
بے جاں ہوئے پر دیں ہیں کیا رنج اُٹھا کے
وہ چاہنے والے تھے امام دوسرا کے
طالب تھا خدا اُن کا وہ طالب تھے خدا کے
دنیا میں یہ تحصیلِ سعادت کا صلہ تھا
آقا بھی انھیں سبطِ پیمبرؐ سا ملا تھا

تھے دہنے طرف چند عزیزِ شہِؑ ذی شاں
جن کے رُخِ روشن سے منوّر تھا وہ میداں
زہراؑ کے جگر بند، محمّدؐ کے دل و جاں
تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
میداں میں عجب رنگ سے مرنے پہ تُلے تھے
حیدرؑ کے مرقع کے ورق رن میں کھلے تھے

اٹھارہ ۱۸ تھے فرزندِ پیمبرؐ کے یگانے
اک رشتے میں جس طرح ہوں تسبیح کے دانے
پالا تھا انھیں گود میں شاہِ شہدا نے
عاشور کو ہات ان پہ کیا صاف قضا نے
وہ فاطمہؑ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
مقتل میں ستم گاروں کی تیغوں کے تلے تھے

کچھ طفل تھے، اور تازہ جواں تھے کئی خوش رُو
خوش ظاہر و خوش باطن و خوش قامت و خوش خُو
وہ چاند سے رُخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو
تھی کوسوں تک ان فاطمہؑ کے پھولوں کی خوشبو
مر جائیں گے فاقے میں، قسم کھائے ہوئے تھے
پانی کا جو تھا قحط تو مرجھائے ہوئے تھے
لڑکے جو کئی پہلے پہل نکلے تھے گھر سے
ہر صف کی طرف تکتے تھے شیروں کی نظر سے
چھوٹے سے لگائے ہوئے ہتھیار کمر سے
کہتے تھے نکلتا نہیں اب کوئی اِدھر سے
یہ دیر ہے کیوں؟ اس سے بھلا فائدہ کیا ہے؟
میداں میں چمکنے لگیں تیغیں تو مزہ ہے
ماموں کے قریں زینبؑ دل گیر کے دل دار
اک حیدرِ کرار تھا، اک جعفرِ طیارؑ
انگڑائیاں لے لے وہ بھی کہتے تھے ہر بار
کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکرِ جرار
اک دم میں فنا ہوں گے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہیں
روباہ ہیں وہ، ہم پسرِ شیرِ خدا ہیں

کہتا تھا کوئی، آج کا مرنا ہے سعادت
مرتا بہ قدم خون میں بھرنا ہے سعادت
خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہے سعادت
سر سے رہِ خالق میں گزرنا ہے سعادت

پانی میں وہ لذت، نہ وہ کھانے میں مزہ ہے
جو آج کے دن حلق کٹانے میں مزہ ہے

تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں، اور کاندھوں پہ ڈھالیں
نیزوں کی سنانوں سے چمکتی ہوئی بھالیں
یہ قصد کہ قبضے میں عدو ہات نہ ڈالیں
ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں

تلواریں علم کر کے جو لشکر پہ جھکیں گے
نیزوں سے نہ تیروں سے نہ خنجر سے رکیں گے

حضرتِ حُرؑ

(کربلا کے پہلے شہید)

اللہ اللہ حُرؑ صفدرو غازی کا نصیب
جانِ محبوبِ الٰہی جسے فرمائے حبیب
ہجر میں لطف ملاقات کا دوری میں قریب
وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائے اسے عشق دلی کہتے ہیں
اس کو دنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں

وصفِ حر میں ہے زباں معترفِ عجز و قصور
آمد آمد کی بہادر کا سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور
مہرِ افلاکِ امامت نے کیا رن میں ظہور
غُل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ! زمیں پر بھی ستارے نکلے

حرؑ نے نعرہ کیا یا حیدرِ صفدر مدد دے
وقتِ امداد ہے یا فاتحِ خیبر مدد دے

زوجِ زہرا مدد دے، نفسِ پیمبرؐ مدد دے
بندۂ آل ہوں یا خواجۂ قنبر مدد دے

تن تنہا ہے غلام اور بہت اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حرؑ ترے حامی ہم ہیں

سن کے یہ باگ جو لی اسپ سبک تاز اڑا
ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اڑا

کیا اڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اڑا
دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اڑا

باغِ زہرا میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غُل تھا دربارِ سلیماں میں پری جاتی ہے

حرؑ نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں بیدل شبیرؑ
دوڑ کر چوم لیے پائے سرِ عرش سریر

شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر
میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسِ دلاور کے برابر ہے تو

کہہ کے یہ ساتھ لیے حُرؒ کو چلے شاہِ اُممؑ
ہات میں ہات تھا مہمان کا اللہ رے کرم
راس و چپ قاسمؑ و اکبرؑ تھے زہے شان و حشم
سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عبّاسؑ عَلَم
دُور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے
رفقا سائے میں ڈھالوں کے لیے آتے تھے

لائے اس عزّت و حرمت سے جو مہماں کو امامؑ
بولے عبّاسؑ کمر کھول اب لے نیک انجام
شہ نے فرمایا، مناسب ہے کوئی دم آرام
عرض کی حُرؒ نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری
مجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبّت تیری
ہائے ہم سے نہ ہوئی کچھ یہاں خدمت تیری
خیر، فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہو گا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا میں ہو گا

حُرؑ نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا بہ اَدب
شہؑ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عربؐ
شاہ بولے کہ عجب دوست چھٹا ہائے غضب
دم بہ دم یاں سے جو آوازِ بکا جاتی ہے
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی ہے

حُرؑ چلا بادِ مخالف پہ اُڑا کر توسن
چوکڑی بھول گئے جس کے تگا پو سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون
ہات میں تیغ، سپر دوش پہ، بر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

رَن میں جب شہؑ کی طرف سے حُرؑ دیں دار آیا
کس بشاشت سے اُڑاتا ہوا رہوار آیا
غُل ہوا سیدِ مظلوم کا غم خوار آیا
جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرّار آیا
طبقِ نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

حشر برپا تھا کہ تیغِ حُرِ ذی جاہ چلی
آگ برسانے کو بجلی سُوئے جنگاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلی ظفر راہ چلی
گہہ بڑھی، گاہ پھری، گاہ تھمی، گاہ چلی
زخم سینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ زہے عزّت وجاہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابنِ حسنؑ واہ حُرِ غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاء اللہ
اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز اُدھر اور اِدھر تنہائی
باگ گھوڑے کی پھرانا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا، دوش پہ شمشیر لگی

سن کے یہ شور ہوا حرؑ دلاور رہ ہے
اے مددگارِ جگر بندِ پیمبرؐ ہے ہے

خوں میں سب تر ہے ترا روئے منوّر ہے ہے
تشنہ و بیکس و مظلوم کے یاور ہے ہے

ادھر آنا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی!
گھر میں سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

بس انیسؔ! اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِّ عباد
لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد

رونے والے شہِ والا کے رہیں خلق میں شاد
ان کے سائے میں برومند ہو ان کی اولاد

عشرۂ ماہ عزا نالہ کشی میں گزرے
سال بھر شہؑ کے غلاموں کو خوشی میں گزرے

حضرت حُر کی شان میں

○

دوزخ سے جو آزاد کیا حُر کو خدا نے
کھلوا دیئے فردوس کے در عقدہ کشا نے
زانو پہ رکھا سَر کو امام دوسرا نے
اعلیٰ کیا ادنےٰ کو بزرگوں کی دُعا نے
سب جس کے طلبگار تھے جنت میں وہ دُر تھا
حورانِ جناں گرد تھیں اور بیچ میں حُر تھا
چرچا تھا کہ مہمانِ حسینؑ آتا ہے دیکھو
دنیا سے بہ صد زینت و زین آتا ہے دیکھو
والائے شہہ بدر و حنین آتا ہے دیکھو
شیدائے رسول الثقلینؐ آتا ہے دیکھو
دم نکلا ہے گودی میں شہنشاہِ زمن کی
سونگھو اسے خوشبو ہے یہ زہراؑ کے چمن کی

اللہ کے لشکر کا ہراول ہے یہ غازی
کُشتۂ اول ہے یہ غازی
بعد اس کے ہیں سب
خاکِ قدمِ احمدِ مرسل ہے یہ غازی
رُتبے میں ملائک سے بھی افضل ہے یہ غازی

اس پر نظرِ لطفِ شہنشاہِ نجف ہے
آنکھیں ہم اگر فرش کریں عین شرف ہے

اللہ کی درگاہ کا مقبول ہے یہ بھی
مقبول نہ کیوں کر ہو کہ مقتول ہے یہ بھی
مجرم پہ کرم شاہ کا معمول ہے یہ بھی
گلدستۂ اسلام کا اِک پھول ہے یہ بھی

نیکوں سے بدی وہ نہیں کرنا جو بھلا ہے
مُرجھا کے یہ پھولا ہے، خزاں ہو کے پھلا ہے

کیا اصل تھی اس نخل کی اور کیا ثمر آیا
اللہ کی قدرت، یہ کہاں سنخا کدھر آیا!
لو، شام کا بھولا ہوا، وقتِ سحر آیا
تلواروں کے دریا سے سلامت اُتر آیا

نیزوں کو عصا تیغوں کو پُل کر دیا اس نے
آتش کو چمن، خار کو گل کر دیا اس نے

کس لشکرِ بد خُو سے بگڑ کر نِکل آیا
دو لاکھ ستم گاروں سے لڑ کر نکل آیا
سُنتا ہُوا، تلوار پکڑ کر نِکل آیا
نیزہ تھا، کہ ہر قلب میں گڑ کر نکل آیا

کعبے کی طرف دیر میں گر دیر سے پہنچا
شر نے اِسے روکا تھا، مگر خیر سے پہنچا

حُوروں کے وہ چہرے، وہ ضیائے دُر دنداں
کوئی متبسّم، کوئی حیراں، کوئی خنداں
باتوں کی ملاحت، لبِ شیریں سے دو چنداں
سُن پائیں تو چاٹا کریں ہونٹوں کو سخن داں

سودا ہو، پری دیکھ لے گر حور کی آنکھیں
سورج کی چمک، چاند کا منہ، نور کی آنکھیں

ہاتوں پہ وہ کوثر کے چمکتے ہوئے ساغر
پانی وہ سُبک اور وہ لچکے ہوئے ساغر
شیشے وہ بلوریں، وہ چھلکتے ہوئے ساغر
وہ مشک کی خوشبو، وہ مہکتے ہوئے ساغر

پژمردہ اگر غنچۂ خاطر ہو تو کھِل جائے
برسوں نہ لگے پیاس گر اِک جام بھی مِل جائے

وہ نرگسی آنکھیں، وہ اُن آنکھوں کے اشارے
اٹھ سایۂ طوبیٰ سے، چل اب گھر میں ہمارے
دیکھ اس طرف اے حضرت شبیرؑ کے پیارے
ساماں ہیں مہیا ترے آرام کے سارے

سیراب ہو گر مے سے اگر تشنہ دہن ہے
وہ کوثر و تسنیم ہے، یہ نہرِ لبن ہے
حوریں کریں شوخیٔ سخن واہ ری قسمت
بھائی کہیں حضرت کی بہن، واہ ری قسمت
سرگود میں لیں شاہِ زمن واہ ری قسمت
مشتاق ہو جنت کا چمن واہ ری قسمت

مرنا وہ، کہ عالم کے خبر گیر سرھانے
پہلو میں علیؑ، حضرت شبیرؑ سرھانے
غُل تھا، کہ یہ اچھوں کی رفاقت کا ثمر ہے
جنت گلِ زہراؑ کی محبت کا ثمر ہے
ایمان فقط نخلِ ولایت کا ثمر ہے
سرسبزیٔ حُر باغِ ریاضت کا ثمر ہے

مولا جسے چاہیں وہ گناہوں سے بَری ہو
کھیتی یہ ہرا دل کی ہے، کیوں کر نہ ہری ہو

اک جا تھے، حُر و شمر، یہ عالم میں ہے مشہور
کیا شانِ خدا ہے کہ یہ مغفور، وہ مقہور
وہ ہوتا ہے، جو ہوتا ہے اللہ کو منظور
انسان رہے حق کی طرف اپنے، بہ مقدور
دولت کو، نہ حشمت کو، نہ آرام کو دیکھے
آنکھیں وہی رکھتا ہے، جو انجام کو دیکھے

اللہ کے محبوبؐ کے دربار میں پہنچا
سر دے کے یداللہ کی سرکار میں پہنچا
بے رنج و خلش گلشنِ بے خار میں پہنچا
وہ نار میں، یہ خلد کے دربار میں پہنچا
مالک کو لیا اس نے، اسے شاہِ عرب نے
رحمت نے اسے گھیر لیا، اس کو غضب نے

رویا اسے زہرؑا کا پسر، واہ ری قسمت
زانوئے حسینؑ اور وہ سر، واہ ری قسمت
طوبیٰ کے تلے خلد میں گھر، واہ ری قسمت
دنیا سے یہ راحت کا سفر، واہ ری قسمت
کیا جلد گیا سوئے اِرم دارِ فنا سے
سوکھا جو پسینہ بھی تو جنت کی ہوا سے

حقا کہ یہ رُتبہ شہِ ذی جاہ نے بخشا
ایماں کا شرف، فاطمہ کے ماہ نے بخشا
طالب تھا وہ جس کا، وہی اللہ نے بخشا
بخشا اُسے خالق نے، جسے شاہ نے بخشا
جنت اُدھر آئی، جدھر آیا قدم اُن کا
کر دیتا ہے انساں کو فرشتہ کرم اُن کا

اے حُرِ دلاور! تری تقدیر کے صدقے
رُتبے کے فدا، عزت و توقیر کے صدقے
مہماں کے تصدق، شہِ دلگیر کے صدقے
اُس صحبتِ ذی قدر کی تاثیر کے صدقے
ناکام کا یوں کام ملاقات میں بن جائے
برسوں کا جو بگڑا ہو وہ اِک بات میں بن جائے

اللہ رے مہمانِ شہِ دیں کی لڑائی!
فرصت نہ سنبھلنے کی خطا کاروں نے پائی
اِک برق گری، تیغ چمک کر جدھر آئی
برباد کیا، پھونک دیا، آگ لگائی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبراتے تھے اعدا
جلتے ہوئے دوزخ میں چلے جاتے تھے اعدا

خواہش یہ ہر اک حور کی تھی حُر اِدھر آئے
یہ صاحبِ اقبال و تہوّر، اِدھر آئے
لہراتا تھا کوثر بھی، کہ یہ دُر اِدھر آئے
فرماتے تھے حیدر، یہ بہادر اِدھر آئے
مُشتاق ملاقات کے ہر چھوٹے بڑے تھے
محبوبِ خدا ہاتوں کو پھیلائے کھڑے تھے

فرماتی تھی زہرا، مرے غم خوار کو لاؤ
جلدی مرے پیارے کے مددگار کو لاؤ
تعظیم ہے تکریم سے، حبّار کو لاؤ
لاؤ مرے آگے حُرِ دیں دار کو لاؤ
پایا نہ کفن واں تو یہاں شاد کروں گی
میں حُلّۂ جنّت اسے امداد کروں گی

حوروں کا وہ میووں کے طبق سامنے لانا
در پردہ وہ اشارے کہ ہماری طرف آنا
کوثر ہے وہ، منظور ہے گر پیاس بجھانا
اس قصرِ جواہر سے کہیں دور نہ جانا
جو کچھ وہ کریں، فخر ہے خدمت شہدا کی
ہم سب ہیں کنیزیں پسرِ شیرِ خدا کی

وہ اوج، وہ رفعت، وہ جلال و حشم اُس کا
بڑھتا تھا سوئے گلشنِ جنت قدم اُس کا
منہ دیکھتے تھے جن و بشر دم بہ دم اُس کا
غل تھا کہ بڑھادے جسے چاہے کرم اُس کا

تھا صبح تلک ناریوں میں، نور ہے اب تو
حُر فوجِ ستم گار میں تھا، حُور ہے اب تو

یہ مرتبہ بے شکر گزاری نہیں ہوتا
یہ اوج بجز رحمتِ باری نہیں ہوتا
بے فیض یہ چشمہ کبھی جاری نہیں ہوتا
کم قدر کا پلّہ کبھی بھاری نہیں ہوتا

راحت بھی اُٹھائی ہے جب آزار ملے ہیں
غواص کو اکثر دُرِ شہوار ملے ہیں

○

حضرت حبیب ابنِ مظاہرؑ

○

(امام حسینؑ کے دیرینہ رفیق اور کربلا کے سب بوڑھے شہید)

قربانِ تولاے حبیب ابنِ مظاہرؑ
یکساں صفتِ مہر میں باطن و ظاہر
عصیاں سے بَری طیب و پاکیزہ و طاہر
جاں باز، جہاں دیدہ، فنِ جنگ سے ماہر
سر ملتا تھا پیری سے قدِ راست میں خم تھا
اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا
رعشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دستِ نکوکار
ہر ایک میں محکم تھی سپر، ایک میں تلوار
جب شہؑ کی طرف تیر لگاتے تھے سِتمگار
یہ بڑھ کے اسے روکتے تھے سینے پہ ہر بار
بھائی مرے پاس آؤ! یہ فرماتے تھے حضرت
جب تیر انھیں لگتا تھا، تڑپ جاتے تھے حضرت

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی
پروانۂ جاں باز بھی، شمع سحری بھی
ابرار بھی، دیں دار بھی، عصیاں سے بری بھی
زاہد بھی، مجاہد بھی، نمازی بھی، جری بھی
طفلی سے یہ فوج شہہ نامی میں رہے تھے
تر سٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

کیا شان حبیب ابن مظاہر کا لکھوں حال
وہ پیاس کا صدمہ، وہ ضعیفی، وہ سن و سال
کیا رتبۂ اعلیٰ تھا، زہے حشمت و اقبال
فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہؑ کا لال
جو عشق تھا سلمانؓ و ابوذرؓ کو نبیؐ سے
ان کو وہی اُلفت تھی حسینؑ ابن علیؑ سے

وہ ابن مظاہر کہ حبیبوں میں جو تھے فرد
دنیا میں کسے ملتے ہیں اس طرح کے ہمدرد
اعدا کے لئے تیغ ہلالی دم ناورد
پیری میں الوالعزم بڑھاپے میں جوانمرد
سب چھوٹے مگر دامن حضرتؑ نہیں چھوڑا
مرنے پہ بھی اب تک درِ دولت نہیں چھوڑا

باقی جو رفیقِ شہِ دیں رہ گئے دو چار
حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سیدِ ابرار
کی بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے یہ گفتار
یہ پیر غلام اَب ہے اجازت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجئے آقا!
فردوس کے رستے پہ لگا دیجئے آقا!

حضرت نے سنا دردِ دلِ ابنِ دوست کا جس دم
اِک آہ بھری سرد، اور آنکھیں ہوئیں پُرنم
فرمایا کہ اے یارِ قدیم اے مرے ہمدم
اس وقت مجھے اپنی جدائی کا نہ دے غم
ہے کون رفیقوں میں بجز یاس ہمارے
اک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے

رو دیا یہ سخن سن کے حبیبِ جگر افگار
گر کر قدمِ شہ پہ یہ کی عرض بہ تکرار
قربان ترے اے خلفِ حیدرِ کرار
اس وقت کہاں جائے یہ بچپن کا نمکخوار
فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
جنت تو ہے نزدیک نجف دور ہے آقا

بچپن سے تو سائے کی طرح ساتھ رہا ہوں
آیا جو بُرا وقت تو حضرت سے جدا ہوں؟

مر دوں گا کہ میں عاشقِ نقشِ کفِ پا ہوں
اس نام پہ قربان ہوں اس گھر پہ فدا ہوں

جیتا ہے سدا جو یہ شرف پاتا ہے مولاؑ
اس طرح کا مرنا کسے ہات آتا ہے مولاؑ

جب شہؑ نے سنی ابنِ مظاہر کی یہ تقریر
بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شبیرؑ

فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہشِ تقدیر
دکھلاتا ہے احباب کی فرقت فلکِ پیر

چھٹتا ہے تو پھر یار موافق نہیں ملتا!
سب ملتے ہیں پر عاشقِ صادق نہیں ملتا

چمکی عجب انداز سے اس شیر کی تلوار
گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرربار

ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے سیہ کار
اس دستِ زبردست کا رکتا تھا کوئی وار

کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے تن و سر کو
سینے سے گزر جاتی تھی دو کر کے سپر کو

پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت
تھرانے لگے عضوِ بدن گھٹ گئی طاقت
دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدّت
دل سے کہا اب عالمِ فانی سے ہے رخصت
نے لشکرِ اعدا کو نہ شمشیر کو دیکھا
کس یاس سے مڑ کر رُخِ شبّیرؑ کو دیکھا

پھرنا تھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
دیکھا جو اُدھر پشت پہ نیزے کا لگا وار
چاہا اسے ماریں کہ لگی فرق پہ تلوار
اور ظلم کی برچھی بھی کلیجے کے ہوئی پار
کہتے تھے تن و جاں شہِ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شبّیرؑ کے صدقے

ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہِ ذی شاں
دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہماں
لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے بصد افغاں
اے دوست مرے تیری محبت کے میں قرباں
دکھلا دو مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی

پھر لاش درِ خیمہ پہ لائے شہہِ عالمؑ
سر پیٹ کے فرمایا کہ اے زینبِ پُرغم
میداں میں حبیبؑ ابنِ مظاہر ہوئے بے دم
ماتم کرو بیکس کا بچھا کر صفِ ماتم
یاں رونے کو اس کے زن و فرزند نہیں ہیں
مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہمیں ہیں

خاموش انیسؔ! آگے نہ کہہ لاش کا جانا
پہنچائے گا کوثر پہ یہ رونا، یہ رُلانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانہ
ہے ذاتِ خدا، قادر و قیوم و توانا
رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

حضرت عون و محمدؑ

زینبؑ نے سُنی جب یہ خبر شاہِ اُمم سے
مسلم کے پسر خوب لڑے فوجِ ستم سے
دل ہل گیا، رنگ اُڑ گیا افراطِ الم سے
آنسو رُخِ انور پہ بہے دیدۂ نم سے
کام آتا تھا جو سن کے خجل ہوتی تھی زینبؑ
فرزندوں کا منہ تکتی تھی اور روتی تھی زینبؑ

کچھ منہ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ اسے دھیان
شہؑ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
آگے تو یہ حسرت تھی کہ ہو بیاہ کا سامان
اب کوئی تمنا نہیں، گر ہے تو یہ ارمان
چرچا ہو کہ حق ماں کا ادا کر گئے دونوں
کس شان سے زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبؑ جگر افگار
اتنے میں پسر آکے گرے قدموں پہ اک بار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عونؑ نے گفتار
ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار
میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

یہ کہہ کے جو خاموش ہوا عونؑ خوش اطوار
صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا یک بار
کی عرض سنا آپ نے اے مادرِ غم خوار
کیا جانیے کس بات پہ یہ ہم سے خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

بیٹوں کے سخن سن کے یہ کہنے لگی زینبؑ
ہاں دیر کا باعث تھا یہی مجھ پہ کھلا اب
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب
ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے تمھیں کب
جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے
کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

چہروں کی بلائیں تو مجھے لینے دو واری
پھر کاہے کو شکلیں نظر آئیں گی تمہاری
اس وقت تو بیٹوں پہ بھی رقت ہوئی طاری
سر رکھ دیا مادر کے قدم پر کئی باری
ماں شاد تھی پر غم کے بھی پہلو نکل آئے
چاہا کہ نہ روؤں مگر آنسو نکل آئے

کچھ سوچ کے اتنے میں اٹھی بنتِ یداللہ
بیٹوں کو چلی لے کے حضورِ شہِ ذی جاہ
روتے ہوئے سب اہلِ حرم بھی ہوئے ہمراہ
عباسؑ سے اس وقت یہ فرمانے لگے شاہ
جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہے زینبؑ
کیا بیٹوں کو رخصت کے لئے لاتی ہے زینبؑ

زینبؑ نے یہ کی عرض کہ اے سیدِ ابرار
کل شام سے ان دونوں نے کھولے نہیں ہتھیار
فخر ان کا کہ تعریف کرے آپ سا سردار
باپ ان کا نمک خوار ہے یہ بھی ہیں نمک خوار
بیٹوں میں انھیں آپ نے محسوب کیا ہے
لونڈی نے تو دونوں کو غلامی میں دیا ہے

کچھ ان کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی
گوہر کوئی جز جوہرِ عزت نہیں رکھتی

دنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی
محتاج ہوں، نادار ہوں، دولت نہیں رکھتی

جو کچھ ہے مرے پاس وہ قربان ہے بھائی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی

یہ سن کے بہت روئے شہِ صابر و شاکر
فرمایا بہن خیر میں ہوں صبر کو حاضر

اچھا یہ کریں کوچ کہ ہم بھی ہیں مسافر
زینب ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر

منظور یہ تنہا ہوں نہ جُدا ساتھ سے میرے
دو اور جواہر یہ چلے ہات سے میرے

گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے پہنچے جو بہادر
فوجِ ستم آرا ہوئی سب غرقِ تحیّر

اک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر
لڑکے ہیں یہ اللہ رے اقبال و تہوّر

کیا جانیے کیا نام ہیں اِن کے اَبُ و جَد کے
تیور سے یہ پیدا ہے کہ بچّے ہیں اسد کے

برچھی لئے انبوہ سواروں کا جب آیا
شہزادوں نے رانوں میں سمندوں کو دبایا
اک شور ہوا غیظ رحیموں کو اب آیا
وہ بیچ بجلی سے جو چمکے غضب آیا
آخر وہ جری لخت دل ضیغم دیں تھے
سر تھے صف اوّل کے کہیں جسم کہیں تھے

ناگاہ بڑھا شمر لعیں فوج کی صف سے
نعرہ کیا خلعت کا ہر اک تیغ بکف سے
دونوں پہ چلے تیر ستم چار طرف سے
آنے لگی فریاد کی آواز نجف سے
غل تھا کہ نواسوں کو علیؑ کے اجل آئی
سر کھولے ہوئے قبر سے زہراؑ نکل آئی

بیٹھی صف ماتم پہ ادھر شاہؑ کی خواہرؑ
سیدانیوں نے اٹھ کے ادھر کھول دیئے سر
لاشوں کو لئے آئے جو گھر میں شہ صفدرؑ
زینبؑ کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فرمایا کہ لو لخت جگر آئے تمہارے
لو دودھ انھیں بخشو کہ پھر آئے تمہارے

ہمشیر سے یہ کہہ کے جو روئے شہِ ابرار
بس آگیا فرزندوں کی ہمت پہ اُسے پیار
تھرّاتی ہوئی خاک سے اُٹھی وہ دِلِ افگار
پاس آن کے لاشوں کی بلائیں لیں کئی بار
کانپے جو قدم، گر کے سنبھلنے لگی زینبؑ
منہ خون بھرے چہرے سے ملنے لگی زینبؑ

خاموش انیسؔ! اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
کافی ہے رُلانے کو ترے درد کی گفتار
اس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار
فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ اُمید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

○

حضرت قاسمِ علیہ السلام

قاسمؑ پہ طرفہ باغِ جوانی کی تھی بہار
سنبل سی زلفیں سرو سا قد پھول سا عذار
آنکھیں وہ جن پہ کیجیے نرگس کو بھی نثار
نازک لب اس قدر رگِ گل جن کے آگے خار
بے وجہ منہ نہ سرخ تھا اس جاں فروش کا
لختِ جگر تھا وہ حسنؑ سبز پوش کا

سب جانتے ہیں شوکتِ لختِ دلِ حسنؑ
عمامہ سر پہ خلعتِ شاہانہ زیبِ تن
جنگ آزما، نہنگِ وغا، شیرِ صف شکن
ناشاد و نامراد و اسیرِ غم و محن
حسنِ حسنؑ کی چہرے پہ کیا خوب شان تھی
قالب تھا رزم گہہ میں، دلہن پاس جان تھی

تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں
کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اِس لڑائی میں

حاصل تھا ہات کو یدِ بیضا صفائی میں
اختر کی ضَو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں

ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو

جب خیمۂ حسینؑ سے نکلا حسنؑ کا لال
دیکھا کہ دَر پہ روتے ہیں سرورؑ بصد ملال

بس گر پڑا قدم پہ یہ کہہ کر وہ خوش خصال
دیجیے رضائے حرب مجھے بہرِ ذوالجلال

چلّائی ماں کہ سبطِ پیمبرؐ نہ روکیو!
شبّر نے دی ہے اک برادر نہ روکیو

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے وُلہن کے پاس
آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں دل اُداس

فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
سب مر گئے عزیزِ شہنشاہِ حق شناس

بستی تمام لُٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کہاں یہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

سوچو تمھی، گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
فریادِ فاطمہؑ کی صدائیں سُنا کریں؟
رُخصت کرو تو فوجِ ستم سے وغا کریں
کھو لو جو لعلِ لب تو گہر ہم فدا کریں

صاحب! ہمیں سپردِ عروسِ اجل کرو
مشکلکشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو

جب یہ سُنے کلام تو جی سنسنا گیا
دل پہ چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
منہ پر دُلہن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا
جوشِ بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا

دولھا کو اتنی بات سُنا کر اک آہ کی
صورت بتانے جاؤ ہمارے نباہ کی

میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ
راضی ہیں ماں تمہاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ
نبھ جائے گا، ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ

مسکن کریں گے رن میں تنِ پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر

فرما کے الوداع اٹھا دلبرِ حسنؑ
برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غل ہو گیا کہ لٹتی ہے اِک رات کی دُلہن
اس وقت سب سے دولھا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بی بیو زنِ بیوہ کے لال کی

پہنچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا اِدھر اُدھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر
خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رُخِ پُر آب و تاب کی
سہرا بنی ہوئی ہے کرن آفتاب کی

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے
تیر و سنان و خنجر و نیزہ بہم چلے
قاسمؑ بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دودم چلے
اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر
مارا کسی نے فرق پہ اِک گرُزِ گاو سَر
برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر
گرتے تھے اَسپ سے کہ کمر پہ لگا تبرَ
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
فریاد یاحسینؑ! بچاؤ غلام کو

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہِ بحروبرَ
اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی لُٹے گی یُوں ہمیں اس کی نہ تھی خبر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولھا کو اِک نظر
زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولھا بھی نام کو ہے، چچا کا پسر بھی ہے

جس دم دُلہن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ
نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشکِ ماہ
میرا قصور عفو ہو، اے میرے بادشاہ
بولی نہ تھی حجاب سے، تقصیر وار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں!

صاحب اِبتا تو دو، تمہیں رونے میں کیا کہوں؟
بیکس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں؟
پیاسا کہوں؟ شہید کہوں؟ یا بنا کہوں؟
دولھا کہوں؟ کہ قاسمؑ گلگوں قبا کہوں؟
چھوڑا دُلہن کو لاش پہ رونے کے واسطے
دولھا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے

○

رُباعی

سینے میں یہ دم مثلِ سحر گاہی ہے
جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے
پیچھے کبھی قافلے سے رہتا نہ انیس
اے عمرِ دراز تیری کوتاہی ہے

حضرت عباسؑ علمدار علیہ السلام

○

جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدارؑ نے دیکھا
قبضے کی طرف غیظ سے جرّار نے دیکھا
منہ بھائی کا رو کر شہِ ابرارؑ نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا
تیغوں سے عجب سروِ رواں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

عبّاسؑ گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
بانو نے کہا غش سے سکینہ کو جگا کر
صدقے گئی، دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر
اس طرح جو شاہِ شہدا روتے ہیں بی بی
سرور سے علمدارؑ جدا ہوتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس
اُودے ہوئے جاتے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس
زینبؑ نے کہا آتی ہے لو عاشقِ عبّاسؑ
عبّاسؑ نے گودی میں لیا آکے لبصد یاس
بہتے تھے جو آنسو خلفِ شیرِ خدا کے
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی منہ سے چچا کے
عبّاسؑ نے رو کر کہا کیا چاہیئے جانی
شرما کے سکینہ نے یہ کی عرض کہ پانی
عبّاسؑ نے فرمایا بصد اشک فشانی
اللہ بجھائے گا تری تشنہ دہانی
لو گود سے اُترو تو ہم اب جائیں سکینہ
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہ
یہ سنتے ہی اُس پیاسی میں اِک جان سی آئی
فضہ گئی اور دوڑ کے مشکیزے کو لائی
یوں کہنے لگی رو کے وہ شبّیرؑ کی جائی
میں رن میں چلی آؤں گی گر دیر لگائی
جلد آؤں گا دریا سے' یہ فرما کے سدھارو
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھارو

عباسؑ نے کی عرض کہ دریا نہیں کچھ دور
مشکیزہ بھرا اور پھرے خرم و مسرور
اور آ گئے مری جان جو اللہ کو منظور
مانع ہوئی آنے میں اگر موت تو مجبور
تقدیر سے کیا زور ہے سقائے حرم کا
وعدہ کریں کیونکر کہ بھروسہ نہیں دم کا

یہ سن کے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم
آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
سنبھلا جو نہ دل، بیٹھ گئے قبلۂ عالم
عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

لڑتا ہوا پہنچا لب ساحل جو وہ صفدر
یاد آ گئی بس تشنگیٔ آلِ پیمبرؐ
رہوار نے دیکھا رخِ عباسؑ کو مڑ کر
سمجھے کہ ہے گھوڑا بھی بہت پیاس سے مضطر
آنکھوں سے رواں ہو گئے واں اشکِ سکینہ
بہتر ہے کہ اب جلد بھرو مشکِ سکینہ

عباسؑ نے مشکیزے کو چھاتی سے لگا کر
سیراب کیا نہر سے پھر اشک بہا کر
لٹکا لیا تسمے کو قریں دوش کے لا کر
اعدا کی صفیں بندھ گئیں پھر نہر پہ آ کر
لب تشنہ جو وہ حق کا شناسا نکل آیا
رہوار بھی اس نہر سے پیاسا نکل آیا

ساحل پہ ہوئی قتلِ علمدار کی تدبیر
ترکش کے دہن کھل گئے چلّوں سے ملے تیر
تھے گھاٹ کو تلواروں سے روکے ہوئے بے پیر
عباسؑ بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یہ حال تھا ضیغم دمِ جنگ آتا ہے جیسے
یوں آتے تھے ساحل پہ نہنگ آتا ہے جیسے

لکھا ہے کہ اک تھا بن ورقہ ستم آرا
تیغ اُس کی لگی دوشِ مبارک پہ قضارا
بے دست ہوا حیدرؑ کرار کا پیارا
احمدؐ کا نشاں خون میں تر ہو گیا سارا
دیکھو تو ذرا جراتِ سقائے حرم کو
تا دیر کٹے ہات سے چھوڑا نہ علم کو

جس وقت گرا خاک پہ جھک کر عَلَمِ شاہ
کس یاس سے عبّاسِ علمدار نے کی آہ
اس دوش پہ بھی تیغ چلی پُشت سے ناگاہ
دونوں نہ رہے دست جگر بندِ ید اللہ
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گئے عبّاسؑ
بازو جو کٹے سروِ رواں بن گئے عبّاسؑ

حضرت کو پکارا مرے آقا مرے آقا
دوڑو نے مجھے مارا مرے آقا مرے آقا
تن زخمی ہے سارا مرے آقا مرے آقا
بندہ ہوں تمہارا مرے آقا مرے آقا
سقّے کی، بہشتی کی، فدائی کی خبر لو
خادم کی، نمکخوار کی، بھائی کی خبر لو

چلّا کے شہِ دیں نے کہا ہائے برادر
تم بھائی سے ہوتے ہو جُدا ہائے برادر
بھائی نہ ہوا تم پہ فدا ہائے برادر
لکھی تھی جوانی میں قضا ہائے برادر
افسوس کہ وقفہ نہ کیا چند نفس کا
ساتھ آج چھُٹا جاتا ہے بتّیس برس کا

یہ کہہ کے سوئے نہر جو دوڑے شہِ والا
تیورا کے گرے تھے مگر اکبرؓ نے سنبھالا
گر پڑتے تھے ملتا تھا جہاں خون کا تھالا
معلوم نہ ہوتا تھا اندھیرا۔ نہ اُجالا
بھائی کے تصوّر میں جو گھبراتے تھے شبّیرؑ
ہر لاش سے چلّا کے لپٹ جاتے تھے شبّیرؑ

بسمل سے تڑپتے ہوئے جب نہر پہ آئے
عبّاسؑ کوئی آن کے مہمان نظر آئے
سر پیٹتے شبّیرؑ جو بالائے سر آئے
اشک آنکھوں میں عبّاسِؑ دلاور کی بھر آئے
زخمی کو جو اٹھنے کی نہ طاقت تھی زمیں سے
ملنے لگے آنکھیں قدمِ سروردیں سے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اُٹھاؤ
عبّاسؑ ہم آغوش میں لیویں، اِدھر آؤ
گو ہات نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
یارا جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

غش میں جو سُنی اُس نے صدائے شہؑ والا
ہونٹوں کو بھی جنبش ہوئی آنکھوں کو بھی کھولا
آہستہ کہا شہہ سے میں صدقے مرے مولا
تعظیم سے معذور ہوں میں اُٹھ نہیں سکتا
یہ داغ زمانے سے چلا ساتھ ہمارے
پانی نہ ملا تن سے کٹے ہات ہمارے

شاہد مرے کلمے کے رہیں آپ برادر
معبود نہیں کوئی بجُز خالقِ اکبر
برحق ہے رسولِ عربیؐ حق کا پیمبر
بے فصل ہے احمدؐ کا وصی حیدرِ صفدرؑ
بعد اُن کے حسنؑ مالک و مختارِ جہاں ہیں
اور بعدِ حسنؑ آپ امامِ دو جہاں ہیں

یاں تھا ابھی یہ ذکر کہ برپا ہوا محشر!
رونے میں لگے دیکھنے شہؑ خیمے کو مڑ کر
دیکھا کہ حرم گھر سے نکل آئے ہیں باہر
چلاتی ہے فضہ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
اب دخترِ سلطانِ مدینہ نہیں تھمتی
عباسؑ سے کہدو کہ سکینہ نہیں تھمتی

فضہ کی یہ آواز جو عباسؑ تک آئی
تھرّانے لگا نزع میں وہ شہ کا فدائی
شہ سے کہا، یاں آتی ہے اب آپ کی جائی
دامن سے مرے منہ کو چھپا دیجئے بھائی
یہ کہتے ہی دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ
منہ پھیر لیا شرم سے اور مر گئے عباسؑ
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبّیرؑ پکارے
عبّاسِؑ علی چھوڑ کے جنّت کو سدھارے
سر بھائی کے قدموں سے اُٹھاؤ مرے پیارے
بس ہو چکی تعظیم میں قربان تمہارے
بھائی ہیں تری تشنہ دہانی کے تصدق
عباسؑ ہیں اس مرتبہ دانی کے تصدق
کچھ بولو تو اے عاشقِ سُلطانِ مدینہؑ
چلّاتی ہے ڈیوڑھی پہ تمہیں بالی سکینہؑ
بتلاؤ بھتیجی کی تسلّی کا قرینہ
اس صدمے سے دشوار ہے اس بچّی کا جینا
یہ مشک جو واں خون میں تر جائے گی بھائی
بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی

سر پیٹ کے چلّانے لگے سیّدِ ابرارؑ
ہے ہے مرے پیارے مرے بھائی، مرے غم خوار
اب جوش پہ رقت ہے انیسِؔ جگر افگار
مولا سے یہ کر عرض کہ اے کُل کے مددگار
حسرت ہے یہ آنکھوں سے درِ شاہؑ کو دیکھوں
عباسؑ فلک جاہ کی درگاہ کو دیکھوں

رُباعی

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
ناداں! تجھے فکر آب و دانے کی ہے
ہستی کے لئے ضرور اِک دن ہے فنا
آنا ترا، دلیل جانے کی ہے

○

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے اُن کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں، مالِ دنیا سے ہیں خالی اُن کے ہات
اہلِ دولت جو ہیں، وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہے، ملکِ فصاحت کا نشاں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

نقدِ جاں تک دے کے ہم جاتے ہیں یاں سے وقتِ کوچ
عاریت جو شے ہے، اس کو پاس ہم رکھتے نہیں

مرثیہ اک دن میں کیا سب کہہ کے اُٹھو گے انیسؔ
ہات سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت

○

جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا
اِک شور تھا کہ خانۂ دیں بے ستوں ہوا
سقّائے اہلِ بیتِ نبیؐ غرقِ خوں ہوا
سیدانیوں میں اور تلاطم فزوں ہوا
ڈوبا لہو میں چاند شہِ مشرقین کا
خالی کیا اجل نے بھرا گھر حسینؑ کا

یارب کوئی جہاں میں اسیرِ محن نہ ہو
جنگل میں گھر لٹا کے کوئی بے وطن نہ ہو
ماں باپ سے جدا کوئی گل پیرہن نہ ہو
پھولا پھلا اُجاڑ کسی کا چمن نہ ہو
بھائی بچھڑ چکا ہے شہِ مشرقین سے
اب نوجواں پسر کی ہے رخصت حسینؑ سے

غصّے سے کانپتے تھے علی اکبرِ دلیر
تکتے تھے روئے فوج کو ہر دم مثالِ شیر
کہتے تھے ہائے موت نے کیوں کی ہے اتنی دیر
میں تو خدا کی راہ میں ہوں زندگی سے سیر
اکبرؑ بھی جلد قافلے والوں سے جا ملے
مشکل ہے، دیکھیے ہمیں کیوں کر رضا ملے

دیکھا حسینؑ نے کہ رُکے گا نہ دِلرُبا!
رو کر کہا کہ باپ سے پہلے مروگے کیا
کی عرض، دم بہ دم یہی خالق سے ہے دُعا
فرمایا، لاؤ اپنی پھوپھی جان سے رضا
میں خوب جانتا ہوں کہ جینے سے سیر ہو
جلدی کرو کہ میرے نہ مرنے میں دیر ہو

یہ سُن کے پیٹنے لگی زینبؑ جگر فگار
رانڈوں میں وا حسینؑ کی ہر سُو ہوئی پکار
بولی پسر سے بڑھ کے یہ بانوئے نام دار
تم رَن سے ایسے وقت میں کیوں آئے؟ میں نثار
ماں کے لئے رُنڈاپے کا پیغام لائے ہو
کس نے طلب کیا تھا جو گھبرا کے آئے ہو

باندھے کمر، جو خیمے سے نکلا وہ گل بدن
دیکھا کہ قبلہ رُو ہیں شہنشاہ بے وطن
عمامہ دستِ پاک پہ ہے، لب پہ یہ سخن
اکبرؑ کو بہرہ یاب کرائے ربِّ المنن!
بیٹے کے ساتھ نکلے شہ ماں اضطراب میں
یارب! خلل نہ ہو کہیں کارِ ثواب میں

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا شہزادۂ زماں
آنکھوں میں پھر گیا شبِ معراج کا سماں
قبضے میں تیغ، بر میں زرہ، دوش پر کماں
اللہ رے رعب حق کہ اُٹھا شورِ الاماں
بڑھتے ہی راہِ گلشنِ فردوس مل گئی
رن کی زمیں سمند کی ٹاپوں سے ہل گئی

تنہا پہ دو طرف سے چلے تیر ایک بار
لی میان سے دلیر نے شمشیرِ آب دار
چمکی وہ تیغ کیا، کہ ہوئی آسماں کے پار
اُترا کئی صفوں کے ادھر اُڑ کے راہوار
پہنچے تھے سُم ابھی نہ برابر زمین پر
گھوڑوں پہ تن سواروں کے تھے سر زمین پر

ماننِد شیر جنگ میں تھی چار سُو نِگاہ
چھپ چھپ کے بدلیوں سے نکلتے تھے مثلِ ماہ
لیکن اَجل سے بس نہیں چلتا کسی کا آہ
دیکھا جو پھِر کے، یُوں نظر آئی عدم کی راہ
چھاتی پہ لگ کے پُشت سے نیزہ گزر گیا
اُبلا لہو، کہ عُمر کا پیمانہ بھر گیا

فریاد ہے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ گراں
حربے تمام فوج کے اور ایک ناتواں
گرتے ہوئے فرس سے پکارا وہ نیم جاں
لیجیے خبر غلام کی اے قبلۂ زماں
جلدی اُٹھا یئے مجھے دشتِ نبرد سے
اَب جان نکلی جاتی ہے سینے کے درد سے

جنگل میں پہنچے لاش پہ اس وقت شاہِ دیں
جب ایڑیاں رگڑ رہے تھے اکبرِ حسیں
چلّائے پاس گر کے شہِ بیکس و حزیں
حاضر ہے باپ اے مرے فرزندِ مہ جبیں!
بابا کو مطمئن تو کرو منہ سے بول کے
باہیں گلے میں ڈال دو آنکھوں کو کھول کے

کیوں تھرتھرا کے کروٹیں لیتے ہو بار بار
کیا ہے کہ خاک پر کسی پہلو نہیں قرار
حضرت سے دم نکلتے ہیں بولا وہ گل عذار
برچھی کا زخم ہے مری چھاتی کے وار پار
کیا حالِ دل کہوں نہیں طاقت بیان کی
لو الوداع جسم سے رخصت ہے جان کی

ناگاہ رنگ زرد ہوا ہات تھرتھرائے
کروٹ کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے
اٹکا جو دم سوال میں پانی کے لب ہلائے
ہنستے ہوئے گزر گئے دنیا سے ہائے ہائے
پھیلا کے ہات پاؤں وہ مقتول رہ گیا
خوشبو سوئے بہشت گئی پھول رہ گیا

اللہ باپ کو نہ دکھائے غمِ پسر
صدمہ ہوا کہ غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
اکبر کے انتقال کی نوبت بجی اِدھر
نکلی اُدھر سے دختر زہراؑ برہنہ سر
تھرّاتی تھی زمین کوئی تھا نہ چین سے
سب وحش و طیر روتے تھے زینبؑ کے بین سے

آکے جو بزمِ عزا میں رو گئے — مجرئی! وہ فردِ عصیاں دھو گئے

یاد آیا دامنِ مادر کا چین — پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے

اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر — سنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے

موت آئی ہے محبّو! الفراق — آج وعدے سب برابر ہو گئے

عالمِ فانی میں کیا تم کو ملا — اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے

راحت آبادِ عدم ہے خوب جا — پھر نہ آئے وہ، جہاں سے جو گئے

چھد گیا مثلِ گہر ناوک سے حلق — لعل سی جاں اپنی اصغر کھو گئے

خون گردن سے جو نکلا گرم گرم — بھر کے آہِ سرد، ٹھنڈے ہو گئے

عالمِ پیری میں یہ غفلت انیس
رات بھر جاگے، سحر کو سو گئے

حضرتِ علی اکبرؑ

کیا وصفِ جنابِ علی اکبرؑ کروں تحریر
حسنِ نبویؐ، خُلقِ حسنؑ، غربتِ شبّیرؑ
اٹھارہ برس کا تو سِن اور صاحبِ توقیر
تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے نور کی تصویر
شوکت ہے سراپا میں رسولِ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

ہم شکلِ محمدؐ سا جواں حسن میں نایاب
خورشید کو آنکھ اس سے ملانے کی کہاں تاب
زیور کی طرح تن پہ سجے جنگ کے اسباب
رخسارۂ انور پہ تصدق گلِ شاداب
گوندھے ہوئے گیسو رُخِ زیبا پہ پڑے تھے
محبوبِ خدا جنگ پہ آمادہ کھڑے تھے

جب رو چکے قاسمؑ کو شہِ بیکس و بے آس
گلچینِ گلستانِ شہادت ہوئے عباسؑ
بھائی جو ہوا قتل تو جینے سے ہوئی آس
کوئی علیؑ اکبرؑ کے سوا پھر نہ رہا پاس
بے تاب تھے تھامے ہوئے ہاتوں سے کمر کو
تکتا تھا پسر باپ کو اور باپ پسر کو

اکبرؑ کی ہے یہ عرض کہ میداں کی رضا دو
رستہ مجھے فردوس کے جانے کا بتا دو
بابا مری اُلفت کو بس اب دل سے اُٹھا دو
اَماں سے بھی رخصت ہمیں مرنے کی دِلا دو
کٹوائے گا سر رَن میں غلام آپ سے پہلے
زندہ ہے وہ بیٹا، جو مرے باپ سے پہلے

کہنے لگے سُنکر یہ سُخن سیّدِ ابرار
بیٹا! تری تقریر سے ہم ہو گئے لاچار
پھر گرنے لگا باپ کے قدموں پہ وہ دِلدار
لپٹا کے گلے سے شہِ والا نے کیا پیار
فرمایا کہ رُلواؤ نہ مجھ سوختہ جاں کو
اچھا یہی مرضی ہے تو راضی کرو ماں کو

سُن کر یہ سخن رونے لگی بانوئے ناشاد
چلّائی کہ لُٹتی ہوں میں فریاد ہے فریاد
دوڑو ارے لوگو! مرا گھر ہوتا ہے برباد
مرجاؤں تو ہوں قیدِ غم و رنج سے آزاد
تدبیر کرو کچھ مرا گھر لُٹتا ہے لوگو
پردیس میں مادر سے پسر چُھٹتا ہے لوگو

بانو نے یہ تقریر جو کی شام کے رقت
اکبرؑ کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرتؑ
فرمایا کہ اُن سے بھی تو لو مرنے کی رُخصت
جس بی بی نے اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
گو چُپ ہے مگر اُس کو قلق ماں سے سوا ہے
تم پر مری ہمشیرؑ کا حق، ماں سے سوا ہے

زینبؑ نے کہا جس میں رضائے شہِ عالی
میں نے تو کوئی بات نہیں منہ سے نکالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے، ماں سے تو رضا لی
مالک ہیں وہی میں تو ہوں اک پالنے والی
صدقے گئے فرزند، پھوپھی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

اکبرؑ سے کہا لو مری جاں! رن کو سدھارو
زینبؑ کا بنا کام بگڑتا ہے سنوارو!
جو دشمنِ اولادِ علیؑ ہیں انھیں مارو
اب حق یہی میرا ہے کہ سر باپ پہ وارو
اس طرح کے مرنے میں بڑا نام ہے بیٹا
ہاں شیروں کے بیٹوں کا یہی کام ہے بیٹا

گھوڑے پہ چڑھے شاہؑ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
فرزندِ یداللہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
کس صدمۂ جانکاہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
شہ پھرتے نہ تھے راہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
کتنا دلِ بے تاب کو سمجھاتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ مڑ مڑ کے ٹھہر جاتے تھے شبیرؑ

ناگاہ زمیں رن کی ہوئی وادیٔ ایمن
صحرائے بلا دور تلک ہو گیا روشن
نعرہ جو کیا شیر نے تھرا گئے دشمن
رشکِ مہ نو بن گئے نقشِ سمِ توسن
ذروں نے نگاہوں سے ستاروں کو گرایا
گھوڑوں نے الف ہو کے سواروں کو گرایا

لشکر کی صفیں آ کے نقیبوں نے جمائیں
دریائے بلاخیز کی موجیں نظر آئیں
اس طرح نہ سطریں کبھی صفحے میں سمائیں
تیغوں کی چمک تھی کبھی بالا، کبھی پائیں
کثرت کے سبب سائے کو جاگہ نہ کہیں تھی
لشکر کی صفیں تھیں کہ زمیں چیں بہ جبیں تھی

اطباقِ فلک گونجتے تھے فوج کے غل سے
تھرّاتا تھا دل رعد کا آوازِ دہل سے
خاروں کو جو کاوش تھی ید اللہ کے گل سے
برگشتہ تھے ہم شکلِ شہنشاہِ رسلؐ سے
ہر صف سے چلے تیرِ ستم تشنہ دہاں پر
دو لاکھ جواں ٹوٹ پڑے ایک جواں پر

اتنے میں بجا طبل، پکارے ستم آرا
لو احمدِؐ مختار کے ہم شکل کو مارا
یہ سنتے ہی شہؑ کو نہ رہا ضبط کا یارا
سر پیٹ کے چلّائے کہ ہے ہے مرا پیارا
دوڑے پہ نہ میدان میں ڈیرا نظر آیا
دن تھا مگر اس وقت اندھیرا نظر آیا

ڈوبی بیاں خیمے سے نکل آئیں کھلے سر
بکھرے ہوئے تھے بال، نہ برقع تھا، نہ چادر
چلّاتی تھیں سر پیٹ کے ہاتھوں سے برابر
ہے ہے علی اکبرؑ، علی اکبرؑ، علی اکبرؑ
اِک چاک گریبان تو اِک خاک بسر تھی
شہ کو خبر اُن کی، نہ انھیں شہ کی خبر تھی

خاموش انیسؔ! آگے نہیں تابِ رقم کی
شق ہوتی ہے چھاتی دمِ تحریر قلم کی
کیونکر کوئی روداد لکھے اہلِ حرم کی
تا کہ نہایت نہیں شبیرؑ کے غم کی
مصروف سر اِک اشک بہانے میں رہے گا
ماتم علی اکبرؑ کا زمانے میں رہے گا

○

معصوم علی اصغرؑ

(کربلا کا سب سے کم عمر شہید، چھ ماہ کا بچہ)

○

جب رن میں حسینؑ اصغرِ بے شیر کو لائے
لختِ جگرِ بانوئے دلگیر کو لائے
جلادوں میں اس صاحبِ توقیر کو لائے
ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے
غل پڑ گیا دیکھو شہِ والا کے پسر کو
خورشید نے ہاتھوں پہ اٹھایا ہے قمر کو

گو سن میں بہت کم ہیں پہ رتبہ ہے زیادہ
ہے موسمِ طفلی میں جوانوں کا ارادہ
کیوں ہو نہ اولوالعزم وہ عالم کا خوزادہ
زہراؑ سی تو دادی اسد اللہ سا دادا
ہے عمر تو چھوٹی پہ بڑا کام کیا ہے
بے جنگ کئے خلق میں کیا نام کیا ہے

اعدا کو دکھاتے ہیں منہ اس کا شہہ خوش خو
میداں میں تجلی ہے مہ و مہر کی ہر سو
جاری ہیں ہر اک صاحب اولاد کے آنسو
کھولے ہیں دہن مثل صدف اصغرِ مہ رو

پیاسا ہے پسر اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ
بچے کی طرف تکتے ہیں اور روتے ہیں شبیرؑ

فرماتے ہیں اے غنچہ دہن لے مرے پیارے
تبلاؤ مجھے کیا کہوں میں اہلِ جفا سے
گویا نہیں اس وقت زباں فرطِ حیا سے
کچھ میں نے جو مانگا ہے تو مانگا ہے خدا سے

ادنا سے سخی مانگے یہ دستور نہیں ہے
اب صبر کرو نہرِ لبن دور نہیں ہے

لیکن تری مادر پہ تری پیاس ہے دشوار
دروازے پہ پھر کھولے کھڑی ہے وہ دل افگار
میں نے کبھی کیا ہے طلب آب کا اقرار
کرتا ہوں لعینوں سے تری پیاس کا اظہار

پر وہ نہیں دینے کے مرے دل کو یقیں ہے
اس نہر کا پانی تری قسمت میں نہیں ہے

یہ کہہ کے پکارا اسد اللہ کا جانیؑ
کچھ کہتا ہوں یارو علی اصغرؑ کی زبانی
اب اُٹھ نہیں سکتی تعب تشنہ دہانی
کہتے ہیں کہ اک بُوند پلا دو ہمیں پانی
دن آج تمہارا ہے تو کل ہوگا ہمارا
فردوس کی نہروں پہ عمل ہوگا ہمارا
اِن پھول سے رُخساروں کے کمہلانے کو دیکھو
گہوارے سے میداں میں چلے آنے کو دیکھو
اِن سُوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو
غش آنے کو اور سانس اُلٹ جانے کو دیکھو
ناحق ہے عداوت تمہیں نازوں کے پلے سے
پھر دوگے تو پانی بھی نہ اُترے گا گلے سے
سُن کر یہ سخن وہ ستم ایجاد پکارے
خیر آنے نہ دینا ہمیں کوثر کے کنارے
اطفال جئیں یا کہ مریں پیاس کے مارے
تم لوگوں کا حصّہ نہیں پانی میں ہمارے
ہم سمجھے کہ حیلے سے طلب کرتے ہو پانی
بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی

فرمانے لگے سبطِ نبیؐ اشک بہا کر
ہم پیاس بجھائیں گے تو کوثر ہی پہ جا کر
ہٹ جاتا ہوں میں خاک پہ اصغرؑ کو لٹا کر
دریا سے کبھی پانی پلا دو اِسے لا کر
اپنے لئے سائل کبھی پانی کا نہ ہوں گا
بچہ مرا بچ جائے میں پیاسا ہی رہوں گا

بڑھ کر بنِ کاہل نے کہا اے شہِؑ والا
اکبرؑ کو تو دیکھا، اِسے میں نے نہیں دیکھا
دکھلاؤ تو اصغرؑ کا مجھے چاند سا چہرہ
سنتا ہوں کہ ہم صورتِ حیدرؑ ہے یہ بچہ
حاصل ہوئی اکبرؑ سے پیمبرؐ کی زیارت
باقی ہے مگر حیدرِ صفدرؑ کی زیارت

شبیرؑ نے اس چاند کو ہاتوں پہ اُٹھایا
چلّے سے کماں دار نے واں تیر ملایا
خم ہو کے اے مثلِ کماں شہ نے بچایا
مانندِ اجل ناوکِ تیرِ ستم آیا
شبیرؑ چھپاتے رہے نازوں کے پلے کو
بازو پہ لگا توڑ کے ننھے سے گلے کو!

فوّارہ چھُٹا حلق سے بچّے کے، لہو کا!
سب خون میں تر ہو گیا بچّے کا شلوکا
دم آ کے رُکا حلق میں اس تشنہ گلو کا
خوں منہ سے اُگلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا
ننھّی سی وہ ٹوپی بھی گری جاتی تھی سر سے
جب آتی تھی ہچکی تو لپٹتا تھا پدر سے
جب تیر کو معصوم کی گردن سے نکالا
دنیا سے سفر کر گیا وہ ہنسلیوں والا
چلّا کے عجب درد سے روئے شہِ والا
نزدیک تھا ہو جائے کلیجہ تہ و بالا
غُل تھا کہ اَب اُمّت کا نگہبان علیؑ ہے
فریاد کو زہرا طرف عرش چلی ہے
شہ لاش کو ہاتوں پہ اُٹھا کر یہ پکارے
اے بارِ خدا خلق سے اصغرؑ بھی سدھارے
صد شکر کہ تو نے مِرے سب کام سنوارے
کچھ اور بجز نذر نہ تھا پاس ہمارے
یہ ننھّے پسر صاحبِ معراج کا ہدیہ!
مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ!

اس ذکر پہ سر پیٹ کے بانو یہ پکاری
ہے ہے مرے اصغرؔ تری تنہائی کے واری
آغوش میں ہے کس کو یہ ماں دَرد کی ماری
تم مر گئے، ویران ہوئی گود ہماری
دل میں مرے ارمان بھرے رہ گئے بیٹا!
کرُتے جو سِیے تھے وہ دُھرے رہ گئے بیٹا

خاموش انیسؔ! اب کہ بہت رونے کا ہے جوش
ہوگی نہ محبوں کو تری یاد فراموش
اللہ نے بخشی ہے جنھیں چشم خطا پوش
کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقلِ ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف
کب مانتے ہیں اہلِ سخن عام کی تعریف

○

شہیدانِ کربلا

○

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
لاکھوں سے تشنہ کام لڑے، کام کر گئے
اُمت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم، عام کر گئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر اُن کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ مَلک اُن کو روتے ہیں

دیں دار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد
ہاتوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد
مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں، یہ جہاد
تیغوں سے بند کون سا ان کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

برسوں رہے گا چرخ ہیں گر آسمانِ پیر
لیکن نظر نہ آئے گا ان کا کہیں نظیر
گورے نہ ان کے پاؤں، نہ روئے مہِ منیر
خورشید جن کے سامنے اِک ذرۂ حقیر
پُرخوں قبائیں، جسم پہ، سینے تنے ہوئے
پہنچے ریاضِ خلد میں دُولہا بنے ہوئے

رستم اٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے
شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنیٔ قمر، اُن کے سامنے
اُڑتا تھا رنگِ رُوئے سحر اُن کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن، جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجُود
دیکھیں جو اُن کا نُور تو قدسی پڑھیں درود
رخ سے عیاں جلال دجواں مردی و نمود
شیدائے آلِ شیفتۂ واجبُ الوجود
جینے کی شاہِ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینے کو جلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی انھیں صحبتِ امامؑ
تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدرؑ سے دل کے جام
ذی قدر، ذی شعور، دلاور، خجستہ گام
لشکر جو اُن پہ ٹوٹ پڑے شام و رُوم کے
تلواریں کھائیں جسموں پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب، ہزاروں میں لاجواب
تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
وہ نور، وہ جلال، وہ صورت وہ آب و تاب
زہراؑ کے گھر کے چاند، زمانے کے آفتاب
بس یک بیک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال ان پہ آ گیا

گل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ
جعفر کے لاڈلوں نے دیئے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراغ
پامال ہو گیا حسنِ مجتبےٰ کا باغ
لاشے اُٹھائے، جنگ کرے یا بُکا کرے
جس پر گریں یہ کوہِ مصیبت وہ کیا کرے

صدقہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر
نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیرِ نر
رخصت ہوئے حسینؑ سے عباسِؑ نامور
دریا بہے لہو کے، بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا
پردے میں قہر ہے، خبرِ مرگِ نوجواں
ریتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہِ انس و جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیموں سے بی بیاں
تھا خانۂ علیؑ میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر لُٹ پٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا
غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلِ بیت
دنیا سے کوچ کر گیا سقائے اہلِ بیت
ہم لُٹ گئے، گزر گیا سقائے اہلِ بیت
فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلِ بیت
ہے ہے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زبان اب کسے بچے دکھائیں گے

ظاہر میں گرچہ تھے رفقا شاہ کے قلیل
پیشِ خدا مگر وہ حقیقت میں تھے جلیل
جرأت میں بے نظیر، شجاعت میں بے عدیل
سرگرم جان دینے پہ سب صورتِ خلیل
فاقوں میں صبر و شکر سے دل اُن کے سیر تھے
جاں باز تھے، جری تھے، مجاہد تھے، شیر تھے

جس غول پر جھپٹ کے گئے صورتِ اسد
بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشتِ ستم کی حد
لاکھوں میں ان کا وار کوئی کر سکا نہ رد
نعرہ ہر ایک ضرب میں تھا یا علیؑ مدد
ڈر کرتے تھے وہ مجمعِ قومِ جہول میں
گھوڑوں کو عرض میں تو سواروں کو طول میں

کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے
اس شان سے کبھی نہ عجم، نے عرب لڑے
دریا کے سمت رُخ نہ کیا، تشنہ لب لڑے
پیاسے تھے تین روز کے لیکن عجب لڑے
بے دست ہو گئے تو یہ جوہر دکھا گئے!
لوہے کو مثلِ شیرِ درندہ چبا گئے!

الحق، تھے شیرِ بیشۂ ہیجا وہ صف شکن
مرنے کی یہ خوشی تھی کہ خنداں تھے زخمِ تن
کھا کھا کے تیر کہتے تھے وہ غیرتِ چمن
قربانِ بندہ پروریِ سرورِ زمن
غازی ستم گروں سے وغا کر کے مر گئے
حقِ نمک جو تھا، وہ ادا کر کے مر گئے

رخصت ہوا پدر سے علی اکبرِ دلیر
لشکر کو سرکشوں کے کیا دم میں اُس نے زیر
آخر ہجوم کر کے لیا ظالموں نے گھیر
برچھی جگر پہ چل گئی، مارا گیا وہ شیر
صدمے سے حال سبطِ نبیؐ غیر ہو گیا
ناظر، سب کا خاتمہ بالخیر ہو گیا

کربلا میں امام حسینؑ کی تنہائی

جب نوجواں پسر شہِ دیں سے جدا ہوا
روشن قمر، سپہر بریں سے جدا ہوا
نورِ نظر، امامِ مبیں سے جدا ہوا
لختِ جگر حسینِ حسیں سے جدا ہوا
دل داغ ہو گیا دل و جانِ بتولؑ کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبطِ رسولؐ کا

برچھی سے ٹکڑے ہو گیا لختِ جگر کا دِل
خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پسر کا دل
ہوتا ہے آبگینے سے نازک بشر کا دِل
پتھر کا دل نہیں ہے یہ دل ہے پدر کا دل
ایوبؑ بھی اگر ہوں تو دم بھر نکل پڑے
آنسو تھمیں، تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر
غربت میں کون لٹ گیا منزل کو کیا خبر
کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر
کس پر چھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر
خاروں سے پوچھیے نہ کسی گل سے پوچھیے
صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھیے

بچھڑا وہ لال، جس کا گوارا نہ تھا فراق
فرماتے تھے، کہ لوٹ لیا تو نے اے عراق
اے موت! جلد آ، کہ بس اب زندگی ہے شاق
خنجر کی آرزو ہے، شہادت کا اشتیاق
برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو!
کیا زندگی کا لطف، جب ایسا پسر نہ ہو

بچھڑے پدر سے اکبرِ مہ رو، ہزار حیف
اب رو ہے سامنے نہ وہ ابرو، ہزار حیف
کیا خوش نما تھا دوش پہ گیسو، ہزار حیف
وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو، ہزار حیف
وہ زلف و رخ وہ پیار کی باتیں کدھر گئیں
وہ دن کہاں ہیں آہ وہ راتیں کدھر گئیں

سب چاہیں جس کی زیست وہ شیر ژیاں مرے
افسوس نیم جاں جئے، جانِ جہاں مرے
پیدا تو کس جگہ ہوئے، آکر کہاں مرے
قدرت خدا کی پیر جئے، نوجواں مرے
اس عمر میں جہاں سے گذرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

پھولے پھلے نہ وہ چمن روزگار میں
جھونکا چلا ہوائے خزاں کا بہار میں
دیکھا کبھی نہ ایک گل ایسا ہزار میں
کیا زور ہے، امانت پروردگار میں
بے بس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام
تر تھی لہو سے لختِ جگر کی قبا تمام
رخ زرد، دل میں درد، بدن سرد، تشنہ کام
طاقت نہ قلب میں، نہ بدن میں لہو کا نام
یہ دردِ تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے یہ تھے حسین علیہ السلام کے
لائی حرم سرا میں بہن ہات تھام کے
نہرا رہے تھے پاؤں شہہ تشنہ کام کے
سر دوش پر تھا، زینب عالی مقام کے
فرماتے تھے، بہن! علی اکبرؑ گزر گئے!
ہم ایسے سخت جاں ہیں کہ اب تک نہ مر گئے
بس اے انیسؔ! بس، نہ سنے تھے کبھی یہ بین
برپا ہے بزم ماتم اکبرؑ میں شور و شین
میں ایک کیا، نہیں کسی مومن کے دل کو چین
کیجیے مدد ان اپنے غلاموں کی یا حسینؑ
عسرت ہو دور عیش کا سامان کم نہ ہو
جز ماتم حضور کوئی اور غم نہ ہو

○

امام حسینؑ کی آخری رخصت

○

جب آخری رخصت کو حسینؑ آئے حرم سے
سب بی بیاں لپٹیں شہہِ والا کے قدم سے
حضرت نے کہا قطع محبت کرو ہم سے
جینے کے نہیں ہم علی اکبرؑ کے اَلم سے
بابا سے نہ جب تک وہ گل اندام ملے گا
تب تک نہ ہمیں ایک دم آرام ملے گا

سب مر چکے، اب کس کے لئے سر نہ کٹائیں
ایسے نہیں بچھڑے کہ جو اکبر چلے آئیں
کس طرح سے اُس یوسفِ گم گشتہ کو پائیں
ہے فرق بصارت میں کدھر ڈھونڈنے جائیں
بے اُن کے نہ کھانے کا نہ پینے کا مزہ ہے
فرزند سلامت ہو تو جینے کا مزہ ہے

اِک جانِ حزیں، تا بہ کجا رنج اُٹھائے
راحت اب اسی میں ہے کہ جلدی اجل آئے
زخمِ جگر و دل کسے شبیرؑ دکھائے
اللہ تباہی یہ کسی گھر پہ نہ لائے
تاراج نہ اس طرح سے ہو باغ کسی کا
اب مجھ کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا

آگے مرے مارے گئے، دو بھانجے پیارے
قاسم بنے دنیا سے پُر ارمان سدھارے
عباسؑ کا غم پوچھے کوئی دل سے ہمارے
اکبرؑ گئے تو مرنے سے ہوئے گور کنارے
اب پاس نہ بھائی، نہ بھتیجا، نہ پسر ہے
سَو داغ اور اک دل، یہ ہمارا ہی جگر ہے

اک عمر میں سَو آرزوؤں سے جنھیں پایا
یاں تین پہر میں انھیں ہاتوں سے گنوایا
پچھتاتا ہوں کیوں ساتھ وطن سے انھیں لایا
تقدیر نے کس کس کا مجھے داغ دکھایا
کیا جانتا تھا خاک میں انصار ملیں گے
تا حشر، اب ایسے نہ وفادار ملیں گے

یہ کہتا تھا، کٹ جائے گا جب تن سے مرا سر
سب روئیں گے اور غسل و کفن دیویں گے آکر
بابا کا اُٹھائیں گے جنازہ علی اکبر
سو مر گئے وہ، زندہ ہے فرزندِ پیمبر
رُوحِ علی اکبرؑ سے ہمیں شرم بڑی ہے
میدان میں بے گور و کفن لاش پڑی ہے
جس وقت سے رو پیٹ چکے اُن کے اَلم میں
ہم کو بھی اُسی طرح سے رونا کوئی دم میں
اب جاتے ہیں گھر جانے کو ہم فوجِ ستم میں
پھر آنے کا یاں حوصلہ باقی نہیں ہم میں
جب جاتے تھے، سب گھر کے لے آتے تھے ہم کو
وہ مر گئے، جو پھر کے لے آتے تھے ہم کو
اب کون ہے، جو دوڑ کے روکے گا مری راہ
جو پاؤں پہ گرتے تھے کوئی ان میں نہیں آہ
صدمے ہیں جو مجھ پر کوئی ان سے نہیں آگاہ
واللہ نہیں جینے کا ابنِ اسداللہ
وہ سمجھے، کلیجے پہ چھری جس کے چلی ہو!
اکبر نہیں دنیا میں، حسینؑ ابنِ علیؑ ہو؟

اللہ کو سونپا تمھیں، اے زینب و کلثوم
لگ جاؤ گلے، تم سے بچھڑتا ہے یہ مظلوم
اب جاتے ہی خنجر سے کٹے گا مرا حلقوم
ہے صبر کا اماں کے طریقہ تمھیں معلوم

مجبور ہیں، ناچار ہیں، مرضیِ خدا ہے
بھائی نہیں جی اُٹھنے کا فریاد و بکا ہے
جس وقت مجھے ذبح کرے فرقۂ ناری
رونا نہ سنے، آئے نہ آواز تمھاری

بے صبروں کا شیوہ ہے بہت گریہ وزاری
جو کرتے ہیں صبر ان کی خدا کرتا ہے یاری
ہوں لاکھ ستم، رکھیو نظر اپنی خدا پر
اس ظلم کا انصاف ہے اب روزِ جزا پر

کہہ کر یہ سخن شاہ کے آنسو ہوئے جاری
چھاتی سے لپٹ بھائی کی زینب یہ پکاری
اے سیدِ مظلوم! بہن ہو گئی واری
میں جانے نہیں دینے کی حضرت کی سواری

تب جائیو جب جی سے گزر جائے گی زینبؑ
حضرت نے کمر باندھی تو مر جائے گی زینبؑ

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ صدا رونے کی آئی
زینبؑ نے کہا بانو کی آواز ہے بھائی
کچھ سوچ کے گردن شہِ بیکس نے جھکائی
فرمایا کہ جانکاہ ہے اندوہِ جدائی
اک داغ اُٹھایا ہے جواں بیٹے کے غم کا
اور دوسرا گرتا ہے پہاڑ اُس پہ ستم کا

کہہ کر یہ سخن شاہ چلے خیمے کے باہر
رانڈوں میں بپا ہو گیا ہنگامۂ محشر
چلاّ کے کوئی کہتی تھی ہے ہے مرے سَرور
کہتی تھی کوئی اب نہیں آئیں گے برادر
بابا کو قسم دے کے بلاتی تھی سکینہ
سر پیٹتی پیچھے چلی جاتی تھی سکینہ

چلّاتی تھی، قربان ہو بیٹی، چلے آؤ
مر جاؤں گی بابا، مجھے تم چھوڑ نہ جاؤ
صدقے گئی، ننھا سا مِرا دل نہ کڑھاؤ
بیتاب ہوں مُڑ کر مجھے صورت تو دکھاؤ
شہ کہتے تھے ماں پاس رہو نکلو نہ گھر سے
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے

یہ کہہ کے قریبِ فرس آئے شہِ ابرار
گردن کو جھکائے ہوئے روتا تھا وہ رہوار
چمکار کے حضرت نے کیا اس کو بہت پیار
فرمایا کہ تو دیکھ تو اے اسپ وفادار!
فرزند نہیں بھائی بھتیجا نہیں کوئی
تھامے جو رکاب آن کے اتنا نہیں کوئی

اے اہلِ جہاں آج کے دن کر لو زیارت
دنیا سے محمدؐ کے نواسے کی ہے رحلت
یہ شکل نہ آئے گی نظر پھر کسی صورت
سمجھو پسرِ فاطمہ زہراؑ کو غنیمت
ڈھونڈو گے تو شبیرؑ سا آقا نہ ملے گا
پھر تم کو محمدؐ کا نواسا نہ ملے گا

امام حسین علیہ السلام

○

جب باغِ جہاں اکبرِ ذی جاہ سے چھوٹا
پیری میں برابر کا پسر شاہ سے چھوٹا
فرزندِ جواں ابنِ یداللہ سے چھوٹا
کیا اخترِ خورشید لقا ماہ سے چھوٹا
تصویرِ غم و درد سراپا ہوئے شبیرؑ
ناموس میں ماتم ہے کہ تنہا ہوئے شبیرؑ

جب رو چکے حضرت علی اکبرؑ سے پسر کو
بیٹھے سوچ میں زانو پہ جھکائے ہوئے سر کو
صدمہ تھا عجب بادشہِ جنّ و بشر کو
کہتے تھے کوئی لے گیا سینے سے جگر کو
اب مرگ کا طالب پسرِ شیرِ خدا ہے
بیٹا ہی نہ ہو جب تو مزا زیست کا کیا ہے

زینبؑ سے کہا رخت کہن لاؤ تو پہنیں
ملبوسِ شہنشاہِ زمن لاؤ تو پہنیں
موت آگئی اب سر پہ کفن لاؤ تو پہنیں
کپڑے جو پھٹے ہوں وہ بہن! لاؤ تو پہنیں
سر کٹ کے جو تن وادیٔ پُر خار میں رہ جائے
شاید یہی پوشاک تنِ زار میں رہ جائے

فرما کے یہ ہتھیار سجے آپ نے تن پر
غل پڑ گیا شاہِ شہدا چڑھتے ہیں رن پر
احمدؐ کی قبا آپ نے پہنی جو کفن پر
پیدا ہوا اک جلوۂ نو رختِ کہن پر
اللہ ری خوشبو، تنِ محبوبِ خدا کی
پھولوں کی مہک آگئی کلیوں سے قبا کی

شمشیرِ ید اللہ لگا ہی جو کمر سے
سر پیٹ کے زینبؑ نے ردا پھینک دی سر سے
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے آپ جو گھر سے
بچوں کی طرف تکتے تھے حسرت کی نظر سے
اس غل میں جدا شہ سے نہ ہوتی تھی سکینہ
پھیلائے ہوئے ہاتوں کو روتی تھی سکینہ

سمجھا کے چلے آپ سکینہ کو غش آیا
غل تھا کہ اُٹھا سر سے شہنشاہ کا سایہ
ڈیوڑھی سے جو نکلا اسداللہ کا جایا
رہوارِ سُبک سیر کو روتا ہوا پایا
کس عالمِ تنہائی میں سیّد کا سفر تھا
بھائی، نہ بھتیجا، نہ ملازم، نہ پسر تھا

زینبؑ نے پکارا مرے ماں جائے برادر
ناشاد بہن لینے رکاب آئے برادر؟
اب کوئی مددگار نہیں ہائے برادر
صدقے ہو بہن گر تمہیں پھر پائے برادر
غش آئے گا دو گام پیادہ جو بڑھو گے
اِس ضعف میں رہوار پہ کس طرح چڑھو گے

حضرتؑ نے صدا دی کہ نہ خواہر نہ نکلنا
جب تک کہ میں زندہ رہوں باہر نہ نکلنا
للہ بہن! کھولے ہوئے سر نہ نکلنا
سر کھول کے کیا، اوڑھ کے چادر نہ نکلنا
کیا تم نے کہا دل مرا تھرّا گیا زینبؑ
بھائی کی مناجات میں فرق آگیا زینبؑ

فرما کے یہ مرنے پہ کسا اور کمر کو
جولاں کیا اس دم فرسِ برق سیر کو
جلوہ دیا کرّار کی شمشیرِ دو سر کو
ہنسوا نس لیا حضرتِ حمزہؓ کی سپر کو
جوہر تو ادھر برق شرربار میں چمکے
اک چاند ستارے سے شبِ تار میں چمکے

فرماتے ہیں گرمی کی نہیں مجھ کو بس اب تاب
ہیں تین شب و روز سے جنگل میں ہوں بے آب
مرجھائے ہیں سب باغِ علیؑ کے گلِ شاداب
کیونکر وہ جئے جس سے بچھڑ جائیں یہ احباب
صابر ہوں ہیں ایسا ہی کہ غش آ نہیں جاتا
ان پھولوں کو اس دھوپ میں دیکھا نہیں جاتا

فرما کے یہ شمشیرِ دو پیکر کو نکالا
اک برق چمکنے لگی تا عالمِ بالا!
کونین میں اس تیغ نے اک تہلکہ ڈالا
گردوں تو گرا تھا، پہ فرشتوں نے سنبھالا
جب عرش خدا ہلتا تھا، تھرّاتے تھے افلاک
جھک جھک کے سوئے خاک سنبھل جاتے تھے افلاک

غلؑ فوج میں تھا حیدرؑ صفدرؑ کی دُہائی
اللہ کی فریاد، پیمبرؐ کی دُہائی!
مارو نہ ہمیں، حضرتِ شبّرؑ کی دُہائی
اکبرؑ کی دہائی، علی اصغرؑ کی دُہائی

عاجز ہیں علیؑ کے سرِ مجروح کا صدقہ
اب رحم کرو، فاطمہؑ کی روح کا صدقہ

ناگاہ صدا آئی نبیؐ کی کہ مری جان!
اس ہات کے، اس ضرب کے، اس تیغ کے قربان
دشمن کی بھی مشکل کو تمہی کرتے ہو آسان
اُمّت پہ کرو رحم کہ مجھ پر ہے یہ احسان

خالق سے دمِ رازو نیاز آیا ہے بیٹا!
سجدے کو جھکو وقتِ نماز آیا ہے بیٹا!

یہ سنتے ہی سب اسلحہ حضرتؑ نے اُتارا
اور گھوڑے سے اُترا اسدُاللہ کا پیارا
تھے دُور جو قاتل انھیں اس طرح پکارا
اب ہات کسی پر نہیں اُٹھے گا ہمارا

سر دینے کو موجود امامِ دو جہاں ہے
بھیجو اسے، خنجر ہے کہاں، شمرؔ کہاں ہے

تھا عصر کا ہنگام کہ حضرت کو غش آیا
سجدے میں سنبھل کر سرِ انور کو جھکایا
خنجر کو لعیں حلق کے نزدیک جو لایا
زہراؑ کی صدا آئی کہ ہے ہے مرا جایا
قاتل کو تو کچھ منہ سے نہ فرماتی تھی زہراؑ
فرزند سے ہر بار لپٹ جاتی تھی زہراؑ

غُل پڑ گیا بے سر ہوا سردارِ دو عالم
خنجر سے دل و جانِ نبیؐ ہو گیا بے دم
خاموش انیسؔ اب کہ پڑا بزم میں ماتم
اب خالقِ اکبر سے دعا مانگ یہ اس دم
غیر از غمِ شبیرؑ کوئی غم نہ ذرا دے
یارب! تو مجھے قیدِ تفکر سے چھڑا دے

○

شامِ غریباں

○

میداں میں ہوا خاتمہ جب آلِ عبا کا
گھر ہو گیا تاراج امامِ دوسرا کا
کنبہ ہوا محبوس شہِ عقدہ کشا کا
عریاں ہوا سر بلوے میں خاصانِ خدا کا
جن بی بیوں کا سایہ نہ دیکھا تھا کسی نے
افسوس اُنھیں بے پردہ کیا فوجِ شقی نے

وہ خیمہ جو رُتبے میں تھا کعبے کے برابر
اور اوج میں تھا گنبدِ گردوں سے بھی بہتر
مسند وہ، جو تھی جلوہ گہہ احمدؐ و حیدرؑ
وہ فرش جو تھا نور میں جوں عرشِ منوّر
دنیا میں بنا دیں کی تھی جس گھر کی زمیں سے
اعدا نے وہ گھر پھونک دیا آتشِ کیں سے

کونین میں تھی جن کے لئے عزت و توقیر
قرآں میں ثنا جن کی کرے مالکِ تقدیر

یعنی حرمِ محترمِ حضرتِ شبیرؑ
شمشیر بکف لوٹنے آئے انھیں بے پیر

بے اذن جہاں پاؤں مَلک نے نہ دھرا تھا
ہیہات وہ گھر لوٹنے والوں سے بھرا تھا

اکبرؑ سے بچھڑنے کا کسی رانڈ کو تھا غم
کوئی غمِ اصغرؑ میں فغاں کرتی تھی پیہم

حیدرؑ کے نواسوں کا کوئی کرتی تھی ماتم
قاسمؑ کو کوئی روتی تھی گردن کو کئے خم

کوئی غمِ عباسؑ میں مصروفِ بکا تھی
لب پر کسی کے ہائے حسینا کی صدا تھی

کہتی تھی کوئی لٹ گیا مقتل میں مرا راج
مارا گیا ہے ہے پسرِ صاحبِ معراج

کہتی تھی کوئی خانۂ زہراؑ ہوا تاراج
ہے ہے ہوئی اب ایک ردا کے لئے محتاج

چلاتی تھی کوئی مجھے صدمہ یہ بڑا ہے
وارث مرا بے گور و کفن رن میں پڑا ہے

وہ پردہ گیانِ حرمِ عزّت و توقیر
نازل ہوا تھا جن کے لئے آیۂ تطہیر
میدان میں سر ننگے تھیں اور گرد تھے بے پیر
تھا چار طرف شور کہ مارے گئے شبّیرؑ
تاکید تھی ہر دم عمرِ سعدِ شقی کی
ہاں باندھ لو رسّی سے نواسی کو نبیؐ کی

کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں بیڑیاں لاؤ
زنجیر ید اللہ کے پوتے کو پنھاؤ
سجّادؑ کے پہلو سے سکینہؑ کو ہٹاؤ
لپٹا ہوا ہے باپ سے باقرؑ کو چھڑاؤ
سر کاٹ لو فرزندِ حسینؑ ابنِ علیؑ کا
تا فاتحہ خواں بھی نہ رہے سبطِ نبیؐ کا

بانو پہ تقیّد تھی کہ اکبرؑ کو نہ روئے
چھاتی بھی جو بھر آئے تو اصغرؑ کو نہ روئے
اک شب کی دلہن قاسمؑ بے پر کو نہ روئے
زینبؑ سے یہ کہدو کہ برادر کو نہ روئے
اب لاش پہ بھی سبطِ رسولِ مدنی کی
ہوئیں گے قلم ہات اگر سینہ زنی کی

لیوے گی سکینہ جو کبھی نامِ علمدار
تو سُرخ طمانچوں سے کریں گے گلِ رُخسار

ہے ہے مرے بابا! جو پکارے گی وہ ہر بار
کس دیوے گا رسّی سے گلا شمرِ ستم گار

بھُولے سے بھی گر اُونٹ پہ فریاد کرے گی
دیویں گے یہ ایذا کہ بہت یاد کرے گی

مقتل میں جو وہ قافلہ سب نوحہ گر آیا
تیغوں سے قلم باغِ محمدؐ نظر آیا

سینے میں اَلم سے دلِ سجّادؑ بھر آیا
بابا کو پکارے کہ یہ قیدی پسر آیا

صدمہ یہ ہوا زینبِؑ ناشاد و حزیں پر
اشتر سے گری ہائے اخی کہہ کے زمیں پر

چلّاتی تھی اے زینتِ آغوشِ پیمبرؐ
گردن تو اُٹھاؤ، بہن آئی ہے کھُلے سر

آئی یہ صدا لاشِ شہِ دیں سے مکرّر
بھائی ترے قربان ہوا اے مری خواہر

سچ ہے کہ عجب تم پہ ستم ہوتے ہیں زینبؑ
تیرے لئے تیرے یہ بھی ہم روتے ہیں زینبؑ

چلّاتی تھی بانو مرے سیّد مرے سرتاج
اُلٹا مرا بخت آپ کے مرنے سے لُٹا راج
حضرت کو تو نیزے پہ مِلا رتبۂ معراج
اور لونڈی ہے ملبوسے میں رِدا کیلئے محتاج
گھر لُٹ گیا بے والی و وارث ہوئی صاحب
بچّوں سے بھری گود بھی خالی ہوئی صاحب

رو رو کے بیاں کرتی تھی یہ بانوئے بے پر
جو ماں سے کہا بالی سکینہ نے یہ رو کر
پہچانا ہو تم نے تو بتا دو مجھے مادر!
یہ کون سے مظلوم کا ہے لاشۂ بے سر
بے تاب ہے دل چھاتی پھٹی جاتی ہے اماں
اِس لاش سے تو بابا کی بُو آتی ہے اماں

سن کر یہ صدا رانڈوں میں رونے کی ہوئی دھوم
یہ بیٹھیں کہ غش کھا کے گریں زینبؑ و کلثومؑ
وہ حال انیسؔ اب نہیں ہو سکتا ہے مرقوم
جس طرح چھٹی باپ سے وہ دُخترِ مظلوم
عالم میں یہ صدمہ نہ ہوا ہو گا کسی پر
رستے میں ہوئی جو کہ جفا آلِ نبیؐ پر

○

گزر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا
مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا

نمود و بودِ بشر کیا محیطِ عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا، حباب نہ تھا

نہ جانے برق کی چشمک تھی، یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی، شباب نہ تھا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلو! طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا، شب کو آفتاب نہ تھا

انیسؔ! عمر بسر کر دو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلامِ ابوتراب نہ تھا

اِمام زینُ العَابدِینُؑ

○

جب طوق و سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ
خم مثلِ ہلالِ شب اول ہوئے عابدؑ
اس شکل سے راہی سوئے مقتل ہوئے عابدؑ
اعدا تو چڑھے گھوڑوں پہ پیدل ہوئے عابدؑ
رانڈوں میں تو محبوسیِ سجادؑ کا غل تھا
ہر گام پہ زنجیر کی فریاد کا غل تھا

بے دینوں میں تھی تہنیت فتح کی اِک دھوم
رانڈوں میں یہ تھا شور کہ ہے ہے شہِ مظلوم
اور شرم سے نہوڑائے تھے سر عابدِ مغموم
بیمار کی آنکھوں سے نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اِک ہات میں زنجیر بصد رنج و محن تھی!
اِک ہات میں ماں بہنوں کے اونٹوں کی رسن تھی

تلواریں لئے چار طرف ظلم کے بانی
حلقے ہیں دل آزاروں کے وہ یوسف ثانی
غربت کا الم، بے پدری، تشنہ دہانی
وہ طوق کا لنگر وہ سلاسل کی گرانی

مُڑ کر کبھی زینبؑ کے رُخ پاک کو دیکھا
بیڑی کبھی دیکھی، کبھی افلاک کو دیکھا

دستور ہے، بیمار کے ہیں پاؤں دباتے
یاں بیڑیاں بھاری اُسے لا کر ہیں پنہاتے
ماتم کی خبر گو ہیں مریضوں سے چھپاتے
ماں باپ کے سر کاٹ کے ہیں اسکو دکھاتے

یہ دُکھ نہ کسی صاحب آزار نے دیکھے
ہاں بعدِ پدر، عابدِ بیمار نے دیکھے

تھا صاحب اعجاز کو سب طرح کا مقدور
ہونٹوں کے ہلانے ہیں فنا ہوتے وہ مقہور
تھی نار سے آزادی اُمت اُنھیں منظور
دانستہ ہوئے قید نہ بیکس تھے، نہ مجبور

زنجیر سے ہر گام پہ لغزش ہوئی پا کو
چھوڑا نہ مگر سلسلہ صبر و رضا کو

عابدؑ نے کہا، گو ہیں گرفتارِ مصیبت
بھر جائے زمیں خوں سے جو دکھلائیں شجاعت
اِن کانپتے ہاتوں میں بھی ہے زورِ امامت
کیا جانئے کیا ہے جو دِکھاتے نہیں طاقت
نے ضعف کا باعث نہ نقاہت کا سبب ہے
واللہ فقط بخششِ امّت کا سبب ہے

برہم ہوں تو عالم کی بنا ہو ابھی نابُود
اعجاز ہے موسیٰؑ کا عصا میں مرے موجود
گلزار ہو سائے سے مرے آتشِ نمرُود
آہن کو ابھی موم کروں صورتِ داؤد
ہے زور مرے پنجے میں حیدرؑ کے برابر
دو انگلیاں ہیں تیغِ دو پیکر کے برابر

بابا کو جو روؤں تو اُٹھے نوحؑ کا طوفاں
عیسیٰؑ کی طرح مُردۂ صد سالہ کو دوں جاں
ہے زیر نگیں، خاتمِ انگشتِ سلیماں
جنّات و ملائک ہیں مرے تابعِ فرماں
پُر طوق پہنا دو اکہ جھکائے ہوئے سر ہوں
میں سیّدِ مظلوم کا مظلوم پسر ہوں

دادا کے مرے زور سے ماہر ہے خدائی
کی بت شکنی، کفر کی بنیاد مٹائی
ہات ان کے رہی خیبر و خندق کی لڑائی
اس زور پہ پھر رسّی سے گردن بھی بندھائی
ہے فخر کی جا، گر مری گردن میں رسن ہو
پوتے میں بھی لازم ہے کہ دادا کا چلن ہو

سب جانتے ہیں صابری و جرأتِ حیدرؑ
اک زور وہ تھا، فتح کیا قلعۂ خیبر
اک روز یہ مظلوم ہوئے بعد پیمبرؐ
کچھ بولے نہ جب دادی کے پہلو پہ گرا در
دی آتش کیں خیمے کو حیدرؑ کے پسر کے
مجھ پر بھی وہی ظلم ہوا بعد پدر کے

آگے مرے، زیور مری مادر کا اُتارا
زینبؑ کی ردا چھن گئی، گھر لٹ گیا سارا
بے جرم طمانچہ مری ہمشیر کو مارا
یہ سب کیا اُمّت کے لئے ہیں نے گوارا
خوش ہو کے اسیری کے بھی دُکھ درد سہیں گے
ہم وہ ہیں کہ ہر دَور میں صابر ہی رہیں گے

فریاد تھی رانڈوں میں کہ اے قافلہ سالار
منہ کاہے سے ڈھانپیں؟ حرمِ حیدرِ کرارؑ
کس درد سے فرماتے تھے سجادِ دل افگار
صابر رہو، شاکر رہو جو مرضیِ غفار
چھننے کا رداؤں کے عبث رنج و الم ہے
کیا چادرِ تطہیر کا پردہ تمہیں کم ہے

گو آج نہیں محمل و ہودج کی سواری
کل دے گا تمہیں ناقۂ نور ایزدِ باری
موقوف رداؤں پہ نہیں شان تمہاری
تم نورِ خدا ہو تمہیں کیا دیکھیں گے ناری
عُریانی سے تم لوگوں کی عزت نہیں جاتی
پوشش جو نہ ہو کعبے کی حُرمت نہیں جاتی

یہ کہتے تھے جو، قتل کا میداں نظر آیا
کاٹا ہوا زہرا کا گلستاں نظر آیا
دیکھا جسے، وہ خاک پہ بے جاں نظر آیا
سوتے ہوئے شیروں کا نیستاں نظر آیا
رو دیں تو نشانۂ پسرِ شاہِ نجف ہیں
پیاسوں کی کٹی گردنیں قبلے کی طرف ہیں

سر پیٹ کے چلائے یہ سجادِ دل افگار
رخصت کے لئے آیا ہے یہ صاحب آزار
صدقے تری مظلومی کے اے سیدِ ابرار
باندھے ہوئے گردن لئے جاتے ہیں جفاکار
تلواریں علم سر پہ ہیں دم لے نہیں سکتا
مجبور ہوں حضرت کو کفن دے نہیں سکتا

اب وقتِ خموشی ہے انیسؔ جگر افگار
بے تاب ہیں رقت سے شہہِ دیں کے عزادار
مولاؑ سے یہ کر عرض کہ یا سیدِ ابرارؑ
ہوں آپ کی سرکار سے عزت کا طلبگار
برگشتہ زمانہ ہے مدد کیجیو مولا!
ناقدروں کے احساں سے بچا لیجیو مولا

ناموسِ رسولؐ

قید خانے میں

○

جب قیدیوں کو خانۂ زنداں میں شب ہوئی
بچّوں کی مارے خوف کے حالت عجب ہوئی
گھُٹ گھُٹ کے دخترِ شہہِ دیں جاں بلب ہوئی
مضطر کمال بنتِ امیرِ عرب ہوئی
آفت کا سامنا تھا، نئی واردات تھی
زہرا کی بیٹیوں پہ قیامت کی رات تھی

کیجیے شکستگی خرابے کا کیا بیاں
ثابت نہ جس میں سقف نہ در، اور نہ سائباں
وحشت کا گھر، ہراس کی جا، خوف کا مکاں
وہ شب کہ الحذر، وہ حرارت کہ الاماں
ظلمت سرائے گور تھی، زنداں کا گھر نہ تھا
حُجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گزر نہ تھا

مثلِ دلِ یزید تھا وہ سب مکاں سیاہ
تاروں کی روشنی کو بھی ملتی نہ واں تھی راہ

چھایا تھا، دل جلی ہوئی رانڈوں کا درد آہ
حجرے سے چشمِ تر کے نکلتی نہ تھی نگاہ

دیکھے کسی کی شکل کوئی یہ محال تھا
روزن بھی تھا کوئی تو وہ چشمِ غزال تھا

شب کا تو ذکر کیا ہے کہ لگتا تھا دن کو ڈر
ظاہر تھے جابہ جا حشراتِ زمیں کے گھر

تھے وقفِ آشیانِ ابابیل، سقف و در
نکلا وہ مر کے قید ہوا اس میں جو بشر

گھر تھا اجل کا، خانۂ رنج و بلا نہ تھا
برسوں سے واں چراغ کسی شب جلا نہ تھا

اک ایک سے یہ کہتی تھی زینبؑ جگر فگار
لائق نہ اس مکان کے تھے ہم گناہ گار

مجبور جو غریب ہوں کیا اُن کا اختیار
سایہ تو ہے سروں پہ کرو شکرِ کردگار

ہے جائے گریہ حالِ شہِ مشرقین پر
کیا گزری ہوگی دھوپ میں لاشِ حسینؑ پر

زنداں میں مضطرب تھے اسیرانِ نوحہ گر

وہ ہولناک شب وہ اندھیرا کہ الحذر

بیٹھی تھیں فرشِ خاک پہ رانڈیں برہنہ سر

بدلی نگاہ بانوں کی چوکی، بجا پہر

ناتواں ہی قیدیوں نے ادھر شکرِ رب کیا

اور اس طرف یزید نے خاصہ طلب کیا

جلدی محل سرا میں روانہ ہوا طعام

خاصہ چُنا خواصوں نے بازینتِ تمام

ہاں! ہند کو بلاؤ، یہ بولا امیرِ شام

تب اک کنیزِ خاص نے اُس سے کیا کلام

خاصہ نہ دن کو نوش کیا ہے نہ سوئی ہیں

بی بی سحر سے آج کئی بار روئی ہیں

بولا خبر یہ سنتے ہی وہ بانیٔ ستم

جا کر کہو کہ دیر سے یاں منتظر ہیں ہم

دوڑیں یہ حکم سن کے خواصیں کئی بہم

ناچار ہند آن کے بیٹھی بہ چشمِ نم

ہرگز یزید کی تو نہ جانب نگاہ کی

دیکھا طعامِ گرم تو اک سرد آہ کی

بی بی! تمہاری ننھی سی میت کے ہیں نثار
منہ سے اُٹھاؤ کُرتے کا دامن پھر ایک بار
جی بھر کے تجھ کو دیکھ لے مادر جگر فگار
اماں کو اپنے پاس بلا لو تو ہو قرار
فرصت کبھی نہ ہوگی ہمیں شور و شین سے
تم یاں سے جا کے قبر میں سوؤ گی چین سے

بس اے انیسؔ! بزم میں ہے گریہ و بکا
وقتِ دعا ہے خالقِ اکبر سے کر دُعا
یارب بہ حقِ احمدؐ و زہراؑ و مجتبیٰؑ
دکھلا دے جلد روضۂ سلطانِ کربلا
دم لب پہ ہے زیارتِ مولا نصیب ہو
بیمارِ غم کو قربِ مسیحا نصیب ہو

○

بی بی سکینہؑ

○

آفت میں گرفتار ہیں ناموسِ محمدؐ
مجبور ہیں ، ناچار ہیں ، ناموسِ محمدؐ
سرور کے عزادار ہیں ناموسِ محمدؐ
اور جینے سے بیزار ہیں ناموسِ محمدؐ
زنداں کی صعوبت ہے غریب الوطنی ہے
غل ہائے حسینا کا ہے اور سینہ زنی ہے

اس قید میں ننھا بالی سکینہؑ کو نہ آرام
سر پیٹتی تھی ہاتوں سحر روکر سحر و شام
سب بھولی تھی بابا ہی کا بس یاد تھا اک نام
کہتی تھی کہ اماں نہیں جینے کی ہیں ناکام
پاؤں گی کہاں فاطمہ زہراؑ کے پسر کو
ہیں ڈھونڈتی آنکھیں مری مظلوم پدر کو

منہ چوم کے بہلاتی تھی ماں اے مری پیاری
اب آئے گی یاں بی بی کے بابا کی سواری
آؤ کرو آرام مری گود میں واری
روداد سنی ہے شہِ والا نے تمہاری
چھاتی سے حسینؑ آکے لگا دیں گے مری جان
عباسِ علیؑ پانی پلا دیں گے مری جان

غش ہو گئی بس اتنے میں وہ بیکس و پُر غم
ہر بی بی کو بس ہو گیا اک سکتے کا عالم
بانو نے کہا ہائے میں اب کیا کروں اس دم
ہاتوں سے چلی شیفتۂ سیّدِ اکرمؐ
جان و جگرِ شاہِ مدینہ کو غش آیا
فریاد ہے فریاد سکینہؑ کو غش آیا

ہاں ہائے سکینہ کا ہوا شور جو اک بار
تب خواب سے حاکم بھی محل میں ہوا بیدار
منگوائی خبر جب تو کسی نے کیا اظہار
اک چار برس کی جو ہے شبیرؑ کی دلدار
یاد اس کو نہیں شہؑ کی فراموش ہوئی ہے
بابا کو یہ روئی ہے کہ بیہوش ہوئی ہے

حلقہ کیے گرد اس کے حرم روتے ہیں باہم
کہرام ہے زنداں میں قیامت کا ہے عالم
بولا یہ خبرداروں سے اس وقت وہ اظلم
پہنچاؤ خرابے میں سرِ سیّدِ اکرمؑ
بے تاب ہے؟ بِن لے شہِ مظلوم کے سر سے
محروم نہ رہ جائے وہ دیدارِ پدر سے
جس طشتِ طلائی میں رکھا تھا سرِ سرورؑ
خدّام روانہ ہوئے جلدی اسے لے کر
جا کر درِ زنداں پہ پکارے وہ بد اختر
لے جاؤ کوئی آکے سرِ سیّدِ بے سر
خوشبو لے شبیرؑ کی زلفوں کی سنگھا دو
سر باپ کا مظلوم سکینہؑ کو دکھا دو
پھر تھام کے شانے اسے بانوؑ نے اُٹھایا
زینبؑ نے کہا لے ترا بیکس پدر آیا
سر خاک پہ سجدے کو سکینہؑ نے جھکایا
دیکھا جو سوئے طشت تو یہ شور مچایا
بابا کا مرے سر ہے یہ پہچان گئی میں
ان خون بھری زلفوں کے قربان گئی میں

چھوٹے سے جو ہاتھوں سے اٹھایا سرِ سرورؑ
آنکھیں ملیں رخساروں سے منہ رکھ دیا منہ پر

لکھا ہے کہ جنبش میں تب آئے لبِ اطہر
حضرت نے بھی اعجاز سے چومے لبِ دختر
وا ہو گئیں آنکھیں شہِ مظلومؑ کے سر کی
بیٹی پہ عجب یاس سے حضرتؑ نے نظر کی

بیٹی نے کہا صدقے میں اس پیار کے بابا
یہ کس نے گلا آپ کا تلوار سے کاٹا؟
سر تو ہے یہاں اور تنِ پُر نور ہے کس جا
وہ بازو کہاں ہیں جو مرے ہوتے تھے تکیہ؟
اب منہ سے نکلتا ہے کلیجہ مرا پھٹ کر
وہ چھاتی کہاں جس سے میں سوتی تھی لپٹ کر

اس بن میں کہوں کیا جو ستم ہیں نے اٹھائے
یا شاہ! طمانچے مجھے ظالم نے لگائے
بُندے مرے چھینے، مجھے نیزے بھی دکھائے
باندھے ہوئے گردن میں رسن کھینچتے لائے
نے پاس ہیں آپؑ اور نہ چچا جانؑ ہمارے
فریاد کہ مجروح ہوئے کان ہمارے

اتنے میں کہا شمرؔ ستم گر نے یہ آکر!
دے جاؤ بس اب جلدی سرِ سبطِ پیمبرؐ
حاکم کا مجھے حکم یہ پہنچا ہے مُکرّر
دم بھر سے زیادہ نہ رہے یاں سرِ سرورؑ
روتی ہے تو دکھلا دو ذرا شکلِ پدر کو
بہلی ہو سکینہؑ تو حوالے کرو سر کو

ناداں نے سُنی شمرؔ کی آواز جو اک بار
تن کانپ گیا، سہم گئی وہ جگر افگار
بانوؑ سے لپٹ کر کہا اے مادرِ غم خوار
جان اپنی میں دوں گی پہ یہ سر دوں گی نہ زنہار
کُرتے میں چھپا لیتی ہوں اس خوں بھرے سر کو
دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی اپنے پدر کو

ڈیوڑھی سے سکینہؑ کی سُنی شمرؔ نے تقریر
زنداں میں گیا چیں بہ جبیں، دست بہ شمشیر
تھرائے حرم، سہم گئی دخترِ شبیرؑ
فرمانے لگے اس سے یہ تب عابدِؑ دلگیر
اس ظلم رسیدہ کو نہ آزار دے بس کر
معصوم سکینہؑ کی یتیمی پہ ترس کر

ظالم نے بزور اس سے سرِ شاہؑ کو چھینا
اور لے گیا زِنداں سے سرِ شاہِ مدینہ
رانڈیں تو لگیں پیٹنے رو کر سر و سینہ
اور مر گئی بس، ہائے پدر کہہ کے سکینہؑ

اک دھوم ہوئی خانۂ زِنداں میں بُکا کی
تھا شور کہ شبیرؑ کی عاشق نے قضا کی

خاموش انیسؔ اب نہیں یارا ہے سخن کا
صد شکر کہ مدّاح ہے تو شاہِ زمنؑ کا
کہہ حق سے کہ صدقہ سرِ ہفتاد و دو تن کا
یاں بندہ نہ کر مجھ کو کبھی رنج و محن کا
دنیا میں کسی طرح کا مجھ کو نہ اَلم ہو
پر دل میں مرے پنجتنِ پاکؑ کا غم ہو

○

حضرتِ زینبؑ یزید کے دربار میں

○

کوفے میں جب حرمِ حضرتِ شبیرؑ آئے
روتے اور پیٹتے با حالتِ تغیرؔ آئے
ننگے سر بلوے میں سب صاحبِ توقیر آئے
پہنے زنجیرِ گراں عابدِؑ دلگیر آئے
یوں تو اس شہر میں بندی نہ کبھی آئی تھی
ننگے سر رانڈیں تھیں اور خلق تماشائی تھی

آمدِ فوجِ مخالف کا کروں کیا میں بیاں
آگے آگے تو چلے آتے تھے لشکر کے نشاں
پیچھے گھوڑوں پہ تھے اسوار نمودار جواں
بج رہا تھا دُہلِ فتح، ہر اک تھا شاداں
پر تماشائیوں کی چھاتی پھٹی جاتی تھی
باجوں سے ہائے حسیناؑ کی صدا آتی تھی

پیچھے ان لوگوں کے، مقتولوں کے کوتل گھوڑے
تسمے باگوں کے کٹے، گردنوں پہ تیر لگے
زین ڈھلکے ہوئے، اور خوں میں سراسر ڈوبے
بال سے اُن کے ٹپکتے تھے لہو کے قطرے
گردنیں ڈالے ہوئے، جھکے چلے جاتے تھے!
آنسو اِن گھوڑوں کی آنکھوں سے بہے جاتے تھے
پیچھے اِن گھوڑوں کے، نیزوں پہ شہیدوں کے تھے سر
کوئی خورشید لقا، اور کوئی رشکِ قمر
راہ کی گرد جمی، چاند سے رخساروں پر
خشک لب پیاس سے، اور خون سے تھے چہرے تر
سر سے ایک ایک کے تھی صولت و شوکت ظاہر
بعد مرنے کے بھی تھی شانِ شجاعت ظاہر
جبکہ ڈیوڑھی پہ اسی حال میں پہنچے قیدی
اس گھڑی چھا گئی ہر بی بی کے رخ پر زردی
بانو دروازے کے بازو سے لپٹ رونے لگی
خاک پر بیٹھ کے یہ کہنے لگی بنتِ علیؑ
وہ ہے مرتد اُسے صورت نہ دکھاؤنگی میں
سامنے حاکمِ اظلم کے، نہ جاؤں گی میں!

خولی رسّی لئے زینبؑ کی طرف جوں ہی بڑھا
دوڑے سجّادؑ یہ کہتے ہوئے کرتا ہے یہ کیا؟
رو کے پھر حضرتِ زینبؑ سے یہ عابدؑ نے کہا
رُوبرُو حاکمِ اظلم کے چلو بہرِ خدا
آپ کے رُتبے سے آگاہ یہ جلّاد نہیں
بابا صاحب کی وصیت تمہیں کیا یاد نہیں
رو کے زینبؑ سے یہ سجّادؑ نے تقریر جو کی
خاک سے ہیٹی چھاتی کو اٹھی بنتِ علیؑ
پہنچیں دربار میں رانڈیں تو لگا کہنے شقی
ان میں ہے کون سی عورت جو یہاں آتی نہ تھی
عرض کی شمر نے تب زینبؑ دل گیر ہے یہ
دخترِ فاطمہؑ ہے، شاہ کی ہمشیر ہے یہ
دیکھ زینبؑ کی طرف کہنے لگا وہ ملعون
سزا وار ہے کہ نہ آنے کی سزائیں تجھے دوں
تب کہا زینبِ بیکس نے بہا چشم سے خوں
میرے رُتبے کو سمجھتا نہیں اے سفلۂ دوں
دین و دنیا کے شہنشاہ کی بیٹی ہوں میں
او ستم گر! اسد اللہ کی بیٹی ہوں میں

تیغ کیں سبطِ پیمبرؐ پہ چلائی تو نے!
کی بُلا کر مرے بھائی سے بُرائی تو نے
شکل نا محرموں کو میری دکھائی تو نے
ہائے، لُوٹی مری امّاں کی کمائی تو نے
کچھ سزا تو نے یہ اِس ظلم کی پائی ظالم
مر گئے وہ، پہ تجھے موت نہ آئی ظالم

سرِ دربار جو زینبؑ نے کیا یہ ارشاد
برہم اُس دم ہوا وہ دشمنِ دیں حد سے زیاد
بولا خولی سے کہ گویا ہے بہت یہ ناشاد
تیغ کو کھینچ کے آئے کوئی جلدی جلّاد
شہِ مظلوم کی خواہر کی اُتارے گردن
تن سے اس بیکس و مضطر کی اُتارے گردن

سُن کے یہ کھینچ لی اِک دشمنِ دیں نے تلوار
سر جھکا خاک پہ تب بیٹھ گئی زینبؑ زار
دوڑے تھامے ہوئے زنجیر، امامِ بیمار
لپٹیں یہ کہہ کے تب اُس بی بی سے رانڈیں ناچار
ظلم عورت پہ یہ؟ اللہ سے ڈر اے ظالم
دخترِ فاطمہؑ کو قتل نہ کر اے ظالم

تخت کے نیچے جو رکھا تھا سرِ شاہِ ہُدیٰ
بھائی کے سر کی طرف دیکھ کے زینبؑ نے کہا
کچھ خبر ہے تمہیں؟ جو ظلم ہے مجھ پر ہوتا
قتل ہوتی ہوں! بچاتے نہیں مجھ کو بھیا
اب تو اے فاطمہؑ کے لال! کرامت کیجیے
اپنی ہمشیر کی اس وقت حمایت کیجیے

سرِ سرور سے جو زینبؑ نے کیا یہ مذکور
طشت سے بس ہوا اونچا سرِ شاہِ غفور
ہو کے حاکم سے مخاطب یہ کہا، او مقہور!
قتل زینبؑ کو کرے تو، یہ ترا کیا مقدور
فضلِ خالق سے میں مجبور نہیں ہوں ظالم
اب بھی چاہوں تو ترا تخت اُلٹ دوں ظالم

میں نے تو سجدۂ خالق میں کٹایا سر کو
تو نے لٹوا لیا مظلوموں سے میرے گھر کو
سر برہنہ کیا، اہلِ حرم مضطر کو
اب ستانا نہ، خبردار، مری خواہر کو
منہ چھپانے کو نہ بُرقع نہ ردا دیتا ہے
دخترِ فاطمہؑ زہرا کو سزا دیتا ہے

اس ستم کی جو خبر خُلد میں پاوے گی بتولؑ
اپنا سر کھولے، تلے عرش کے جاوے گی بتولؑ
پایۂ عرش کو جس وقت ہلاوے گی بتولؑ
حق کا دریائے غضب جوش میں لاوے گی بتولؑ
سرِ مخدومۂ کونین جو عُریاں ہوگا
درہم و برہم ابھی، دفترِ امکاں ہوگا

معجزے سے سرِ سرور نے جو یہ باتیں کیں
بھاگا تب تخت سے بس اُٹھ کے وہ ملعون بے دیں
خوف سے درہم و برہم ہوا دربارِ لعیں
بس انیسؔ! آگے مجھے لکھنے کی اب تاب نہیں
جس سے غمگیں ہیں نبیؐ، آہ یہ وہ ماتم ہے
جس کا پایاں نہیں واللہ یہ وہ ماتم ہے

○

اہلِ بیتؑ یزید کے دربار میں

○

دربار میں زنداں سے طلب ہوتے ہیں قیدی
بے تاب ہیں، بے صبر ہیں، جی کھوتے ہیں قیدی
منہ گرد بھرے آنسوؤں سے دھوتے ہیں قیدی
بچّوں کو لئے گودیوں میں، روتے ہیں قیدی
فاقوں میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تن میں
دہشت سے ستم گاروں کی لرزہ ہے بدن میں

تھا شور کہ اے قیدیو! دربار میں جاؤ!
کیا بیٹھے ہو زنداں میں قدم جلد اُٹھاؤ
خالق نے کیا رحم، اب آنسو نہ بہاؤ
حلقے رسنِ ظلم کے، ڈھیلے کریں، آؤ!
حاکم کو دُعا دو! کہ تمہیں شاد کرے گا
اب قتل نہیں کرنے کا، آزاد کرے گا

سُن کر یہ سُخن کہنے لگی زینبؑ ناچار
اِک بار تو ہو آئے ہیں مجلس میں گنہ گار
کیا کام ہے اَب؟ کیوں ہے بلایا سرِ دربار
نے سَر پہ ردائیں ہیں، نہ ہے طاقتِ گفتار
بے جاؤ نہ بلوے میں اسیرانِ ستم کو
گھُل گھُل کے اِسی قید میں مرجانے دو ہم کو

فرمانے لگے رو رو کے تب عابدِ بیمار
اس وقت پھوپھی جان! مناسب نہیں تکرار
کیا بس ہے، اسی طرح چلو پھر سرِ دربار
دیکھیں تو کہ کیا کہتا ہے اب حاکمِ غدار
کب سے نہیں کی سبطِ پیمبرؐ کی زیارت
شاید ہو میسّر سرِ سرور کی زیارت

رو کر کہا زینبؑ نے، جو مرضی تری پیارے
مختار ہو تم اب تو، ہوں میں گور کنارے
سُن کر یہ سخن خاک سے قیدی اُٹھے سارے
پر سب کے قدم کانپتے تھے ضعف کے مارے
نورانی بدن گردِ غریبی سے اَٹے تھے
بکھرے ہوئے تھے بال، گریبان پھٹے تھے

اس حال سے پہنچے جو وہ بیکس سرِ دربار
تعظیم کو مسند سے اُٹھا حاکمِ غدّار
کاٹی گئیں جب بیڑیاں اور طوقِ گراں بار
گردن کو جھکا رونے لگے عابدِ بیمار
صدمے سے جو اشکِ شہہِ خوش خو نکل آئے
اس وقت تو حاکم کے بھی آنسو نکل آئے

بعد اس کے یہ عابدؑ سے لگا کہنے وہ جلّاد
محجوب نہایت ہوں میں اے سیّدِ سجّادؑ
تھا دشمنِ شہہ ابنِ زیادِ ستم ایجاد
میں خانۂ زہراؑ کو نہ کرتا کبھی برباد
بےکس کے ستانے میں مجھے فائدہ کیا تھا
لیکن وہ ہوا، جو کہ مقدّر میں لکھا تھا

عابدؑ نے کہا، گو کہ ہیں ہم بے سروساماں
پر یہ نہیں منظور کہ لیں غیر کا احساں
سب مشکلیں بندوں کی خدا کرتا ہے آساں
چھٹنے کی خوشی ہے، نہ وطن جانے کا ارماں
اِک گھر دے، وہاں ماتمِ شبّیرؑ کریں ہم
سامانِ عزائے شہہِ دلگیر کریں ہم

اور دوسرے ہیں آلِ نبیؐ با سرِ عُریاں
لُوٹا ہوا اسباب منگا دے ہمیں اس آن
میں اپنے بزرگوں کے تبرّک کا ہوں خواہاں
بس ہے وہی ہم بے سروسامانوں کا ساماں
حیدرؑ کا عمامہ ہے محمدؐ کی عبا ہے
اور کہنہ سی اِک فاطمہ زہراؑ کی رِدا ہے
لُوٹا ہوا اسباب جو حاکم نے منگایا
تب شمر لباسِ شہِ دیں کشتی میں لایا
سجّادؑ کا دل سینے میں اُس وقت بھر آیا
سر پیٹ کے یہ، زینبِؑ بیکس کو سُنایا
اُس وقت مری چھاتی پھٹی جاتی ہے لوگو
بھائی کے مجھے خون کی بُو آتی ہے لوگو
مشہور ہوں میں فاطمہؑ کے لال کی شیدا
جب وہ نہ ہوئے، قید سے چھوٹی بھی تو پھر کیا
اب قید کا غم ہے نہ رہائی کی تمنّا
مر جاؤں میں زنداں میں تو رہ جائے یہ پردہ
چرچا ہو کہ دنیا سے سفر کر گئی زینبؑ
جہلم نہ ہوا بھائی کا اور مر گئی زینبؑ

ہے ہے مجھے پوشاک برادر کی دکھادو
پیراہن شبیرؑ کی بُو مجھ کو سنگھا دو
عمامۂ گل گوں مری آنکھوں سے لگا دو
عابدؑ نے کہا جلد یہ پوشاک چھپا دو
واللہ ابھی جی سے گزر جائے گی زینب
ان کپڑوں کو دیکھے گی تو مر جائے گی زینب

حاکم نے جو دیکھی شہِ مظلوم کی پوشاک
ٹکڑے تھا سراک جامے وہ ملبوسِ تنِ چاک
عابدؑ سے یہ تب کہنے لگا حاکمِ سفاک
یہ رخت کہن پہنے تھے سبطِ شہِ لولاک؟
حیرت ہے مجھے جامۂ شاہِ شہدا پر
دعویٰ تھا خلافت کا اسی کہنہ قبا پر؟

رو کر کہا عابدؑ نے کہ او حاکمِ غدّار
معراج میں پہنے تھے اسے احمدِؐ مختار
ایسی نہ تھی واللہ قبائے شہِ ابرارؑ
یہ تیروں کے اور نیزوں کے روزن ہیں ستمگار
تلواروں سے ٹکڑے جسدِ پاک ہوا ہے
یوں ہی مرے بابا کا بدن چاک ہوا ہے

اکبرؑ کی جو پوشاک تھی تر خون سے ساری
دیکھا جو اُسے بانوئے بیکس یہ پکاری
ہم شکلِ پیمبرؐ! ترے شملے کے میں واری
آنکھوں کے تلے پھرتی ہے تصویر تمہاری
طے کرکے بہت جلد، یہ منزل گئے بیٹا!
کپڑے تو ہیں اور خاک میں تم مل گئے بیٹا!

کپڑے سحرِ قتل یہ بدلے تھے جو دلبر
کیسے ہی یہ قامت کو بھلے لگتے تھے اکبرؑ
وہ چاند سے رُخسار، وہ گیسوئے معنبر
دولھا سے بنے، خیمے سے تم نکلے تھے باہر
اب سمجھی کہ دولت مری کھونے کو چلے تھے
تم قبر کی آغوش میں سونے کو چلے تھے

شملے کو اُٹھانے جو لگی بانوئے غمخوار
اصغرؑ کا شلوکا نظر آیا اُسے اِک بار
لپٹا کے کلیجے سے پکاری، یہ دلِ زار
اصغر! ترے کُرتے پہ فدا، ماں جگر افگار
مارے گئے دامن میں شہِ تشنہ گلو کے
ننھے سے گریباں میں دھبے ہیں لہو کے

کچھ حال مجھے دردِ گلو کا نہ سُنایا
چپکے رہے اور تیرِ ستم حلق پہ کھایا
مادر نے تو اُجلا سا تمھیں کرتا پنھایا
دودھ اس پہ ہے کیا ہچکیاں لے لے کے گرایا
پیکاں کے نکلنے کا جو دکھ تم نے سہا ہے
ہے ہے یہ مرا دودھ لہو ہو کے بہا ہے
صدقے گئی آباد کیا باپ کا پہلو
ویراں مری گودی ہوئی اے اصغرِ مہ رُو
تھی شب کو بہت دودھ کے پینے کی تمھیں خُو
اُٹھ اُٹھ کے یہ ماں ڈھونڈتی ہے راتوں کو ہر سُو
مجھ کو تو جُدائی تری تڑپاتی ہے اصغرؑ
مجھ بن تجھے کس طرح سے نیند آتی ہے اصغرؑ
اِک کشتی میں رانڈوں کا تھا لُوٹا ہوا زیور
پازیب بھی کبریٰ کی سکینہ کا تھا گوہر
تب پیٹ کے چھاتی یہ لگی کہنے وہ مضطر
ہے ہے مری بچّی! ترے قربان یہ مادر
زنداں سے سوئے خلد سفر کر گئی ہے ہے
گوہر یہ پنھاؤں کسے تو مر گئی ہے ہے

زخمی ہوا ہے اِسی بُندے کے لئے کان
کیا قید سے ننھا چھُوٹنے کا بی بی کو ارمان
دن رات ننھا بابا کی نشانی کا نھیں دھیان
گوہر مرے دلوادو! یہی کہتی تھیں ہر آن

ماں تم کو کہاں ڈھونڈنے اب جائے سکینہ
گوہر تو ملا، تم نہ ملیں، ہائے سکینہؑ

جب دے چکا لوٹا ہوا اسبابِ ستم گر
عابدؑ سے کہا اب تو عمامہ رکھو سر پر
اور حضرتِ زینبؑ سے کہا اوڑھ لو چادر
عابدؑ نے کہا سر پہ عمامہ رکھوں کیونکر

ہے چاک گریبانِ علیؑ بیٹے کے غم میں
سر ننگے محمدؐ ہیں نواسے کے اَلم میں

ملبوس نہ درکار ہے اب نے زر و زیور
بہرِ حسنؑ و حیدرؑ و زہراؑ و پیمبرؐ
منگوادے مجھے میرے پدر کا سرِ انور
تا دفن کروں قبر میں لاشے سے ملا کر

بابا سا بھی میرے کوئی مظلوم نہیں ہے
جس کا سرِ پُرنور کہیں لاش کہیں ہے

سُن کر یہ سُخن کہنے لگا حاکمِ بے پیر
سب کچھ دیا، پر ایک نہ دوں گا سرِ شبّیر
جو شیر کہ پی پی کے پلا فاطمہؑ کا شِیر
طاقت ہے کہ کوئی اُسے کرتا تہہِ شمشیر؟
کچھ اور نہیں بعدِ ظفر ہات لگا ہے!
زر ہیں نے لٹایا ہے تو سر ہات لگا ہے!

سجّادؑ نے فرمایا کہ او کاذب و مکّار
وہ عذر ابھی تھا، ابھی یہ کرتا ہے گفتار
خود تونے کیا قتل کا شبّیرؑ کے اقرار
خونِ شہدا ہے تری گردن پہ ستمگار
اُس دن تجھے محجوب یہ بیداد کرے گی
جب فاطمہؑ اللہ سے فریاد کرے گی

حاکم نے بگڑ کر کہا، جلّاد کو لاؤ
سجّادِ حزیں کو تہہِ شمشیر بٹھاؤ
زینبؑ نے کہا، یا اسدُاللہ! اب آؤ
بابا مرے بیمار بھتیجے کو بچاؤ
کیسا ہے عیاں زورِ ولایت نہیں کرتے؟
صدقے گئی، پوتے کی حمایت نہیں کرتے؟

تلوار کو کھینچے ہوئے آیا جو ستم گار
سجاد سے لپٹے حرمِ احمدِ مختار
آواز ید اللہ یہ پیدا ہوئی اک بار
کیوں؟ تخت الٹ دوں ترا؟ او ظالم و غدار
قائم رہی دنیا کی بنا جس کے قدم سے
اب اس کا گلا کاٹتا ہے تیغ دو دم سے
سُن کر یہ صدا، کانپ گیا حاکمِ اظلم
عابد کو دیا اُس نے سرِ سرورِ عالم
بیٹے نے لیا باپ کا سر ہاتھ میں جس دم
دربار سے قیدی چلے، کرتے ہوئے ماتم
دل غم سے انیس جگرِ افگار تپاں ہے
دفنِ شہدا لکھنے کی اب تاب کہاں ہے

○

ناموسِ پیمبرؐ کی مدینے واپسی

○

جینے سے غمِ شاہؑ میں بیزار تھی صغریٰ
تنہائی کی آفت میں گرفتار تھی صغریٰ
غش رہتا تھا، اس طرح کی بیمار تھی صغریٰ
ہوش آتا تو کرتی یہی گفتار تھی صغریٰ

کہتے تو ہیں سب گھڑیاں ہوں کیوں آئیں گے بابا
غم یہ ہے کہ جیتا نہ ہمیں پائیں گے بابا!

ہر دم ہے کچھ اب نوعِ دگر حال ہمارا
طولِ غمِ ہجراں نے ہمیں مار اُتارا
سب کر گئے بیمار سے اِک بار کنارا
اتنا بھی کسی شخص نے آکر نہ پکارا

ہے گھر میں کوئی یا نہیں فرزندِ نبیؐ کے
خط لایا ہوں لشکر سے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

یہ کہتی تھی، جو شور ہوا شہر کے اندر
آئے سفرِ کوفہ سے ناموسِ پیمبرؐ
اُمِ سلمہ دوڑی گئیں سنتے ہی دَر پر
کیا دیکھا کہ روتے ہیں کھڑے عابدِ مُضطر
اونٹوں کو بٹھایا ہے یہ فریاد و فغاں ہے
جو بی بی اُترتی ہے، سو کرتی یہ بیاں ہے

اِس گھر سے سدھارے تھے جو ہمراہ ہمارے
دیکھا کئے ہم، سامنے وہ سب گئے مارے
نیزے پہ چڑھا دینے کو سر تن سے اُتارے
پیاسوں کی بنیں تربتیں دریا کے کنارے
مرکر نہ مِلا چین کسی تشنہ دَہَن کو
چالیسویں تک سب رہے محتاج کفن کو

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ بیکس و مضطر
سر پیٹ کے رونے لگی، پلّہ لیا سر پر
رو رو کے یہ کہنے لگی اے خالقِ اکبر!
فریاد ہے فریاد، لٹا فاطمہؑ کا گھر
تو مالک و مختارِ قضا اور قدر ہے
میں کس لئے جیتی ہوں؟ مِری موت کدھر ہے

لے گود میں بانو اُسے رو رو کے پکاری
بابا کہاں؟ میں جس کو دکھاؤں تجھے واری
ماں ہو گئی قربان یتیمی پہ تمہاری
نتھ ناک سے قسمت نے اُتروائی ہماری
پردیس سے جنّت کو سفر کر گئے شبّیرؑ
اے فاطمہؑ میں رانڈ ہوئی مر گئے شبّیرؑ

صغریٰ تو یہ سُنتے ہی لگی پیٹنے سر کو
رو رو کے سُنانے لگی چلّا کے پدر کو
ایسے گئے بابا! کہ نہ جیتے پھرے گھر کو
مایوس کیا دُخترِ مجروح جگر کو
اب آس ہے اتنی کہ جو مر جائے گی صغریٰ
اے سیّدِ بیکس! تمہیں تب پائے گی صغریٰ

صغریٰ تو یہ کرتی تھیں بیاں باتنِ رنجور
جو کرنے لگی مادرِ عبّاسؑ یہ مذکور
اے صاحبو! یہ شک تو مرے دل سے کرو دور
بیٹا جو مرا عاشقِ شبّیرؑ تھا مشہور
شفقت تھی بہت اُس پہ حسینؑ ابنِ علیؑ کی
کچھ اُس سے بھی خدمت ہوئی فرزندِ نبیؐ کی؟

میں سن چکی اتنا تو کہ مارے گئے عباسؑ
مرنا تو یقیں ہو گیا، لیکن ہے یہ وسواس
کس وقت تلک جنگ میں بھائی کے رہے پاس
سچ کہدو جو کچھ گذری ہو توڑو نہ مری آس
کچھ قاسمؑ و اکبرؑ پہ تو آفت نہیں دیکھی
شبیرؑ کی خیمے سے تو رخصت نہیں دیکھی

رخصت کو تھا وہ جس گھڑی چلتے ہوئے آیا
حق دودھ کا بخشنا تھا مجھ سے مرا جایا
میں نے اُسے یہ کہہ کے تھا چھاتی سے لگایا
شبیرؑ کے قدموں پہ جو سر تو نے کٹایا
تو دودھ بھی بخشوں گی، دعا بھی تجھے دوں گی
جان اپنی بچائی تو کبھی نام نہ لوں گی

زینبؑ نے کہا، کیا کہوں عباسؑ کی جرأت
کچھ شہؑ کے علمدار کی پوچھو نہ حقیقت
قاسمؑ سے بھی پہلے وہ طلب کرتا تھا رخصت
پر ابن حسنؑ پا چکا جس وقت شہادت
اُس وقت عجب بے کسی تھی شاہِ اُممؑ پر
رُخصت کے لئے گرتا تھا عباسؑ قدم پر

زینبؑ سے یہ سُن، مادرِ عباسؑ پکاری
شرمندہ کیا تم نے حسنؑ سے مجھے، واری
کلثوم نے تب یُوں کہا با گریہ و زاری
اس نے تو رضا مرنے کی مانگی کئی باری

کیا کرتا؟ کہ مغموم بہت ہوتے تھے شبّیرؑ
منہ دیکھتے تھے بھائی کا اور روتے تھے شبّیرؑ

جب حال سکینہ کا ہوا پیاس سے تغیّر
بس اُس گھڑی ناچار ہوئے حضرتِ شبّیرؑ
بھائی سے کہا کچھ کرو اب پانی کی تدبیر
کچھ بس نہیں، اب تم سے جدا کرتی ہے تقدیر

یہ سُن کے لگا رونے وہ شیدائے سکینہ
اور لے کے گیا مشک وہ سقائے سکینہ

واں فوج سے لڑ بھڑ کے بھرا مشک میں پانی
اور گھر کو چلا حیدرِ کرّارؑ کا جانی
پھر ٹوٹ پڑے پیاسے پہ وہ ظلم کے بانی
چھانا اُسے بھی تیروں سے، اور مشک بھی چھانی

پانی بھی بہا، تن سے گرے ہات بھی کٹ کر
اور گر پڑا عباسؑ بھی گھوڑے سے زمیں پر

اِس خوبی سے مارا گیا فرزند تمہارا
دودھ اس کو نہ بخشا تھا تو اب بخشو خدارا
پھر فاطمہ زہرا کو وہ کیونکر نہ ہو پیارا
واللہ سر اُس نے قدمِ شاہ پہ وارا
دِکھلائی وہ جاں بازی شہہِ تشنہ دہن کو
راضی کیا حیدرؑ کو محمدؐ کو، حسنؑ کو
یہ سنتے ہی بس مادرِ عباسؑ دِلاور
قبلے کی طرف گِر پڑی سجدے کو زمیں پر
جب کر چکی سجدہ تو یہ کہنے لگی روکر
سب مِل کے کرو ماتمِ فرزندِ پیمبرؐ
یہ جو کہا، غُل ہونے لگا سینہ زنی کا
اور ذکر تھا شبیرؑ کی تشنہ دہنی کا
بولی کوئی، جیتے نہ رہے قاسمؑ مضطر
بولی کوئی، بے جاں ہوئے عباسؑ دلاور
بولی کوئی، سر پیٹ گئے ہے ہے علی اکبرؑ
بولی کوئی، مارا گیا پیاسا علی اصغرؑ
وہ رانڈیں تھیں اور ماتمِ شاہ شہدا تھا
کیا کہیے انیسؔ اس کو جو کچھ حشر بپا تھا

پہلا ایڈیشن، تین ۳ ہزار

محرم الحرام ۱۳۸۳ھ مطابق جون ۱۹۶۳ء

۱۔ کتابت	۱۸۳۸	رُوپے
۲۔ بلاک	۲۵۹۲	〃
۳۔ سرورق ڈیزائن	۷۵	〃
۴۔ حاشیہ (ایک رُوپیا فی صفحہ)	۲۸۸	〃
۵۔ بلاک سرورق	۷۲	〃
۶۔ اندرونی صفحوں کا کاغذ	۱۱۲۰	〃
۷۔ سرورق کا کاغذ	۴۸۰	〃
۸۔ چھپائی	۱۲۶۰	〃
۹۔ 〃 سرورق	۲۱۰	〃
۱۰۔ جلدسازی	۷۵۰	〃
	۸۶۸۵	〃

لاگت فی جلد۔ ڈو ۲ رپے نوّے ۹۰ پیسے

نوٹ:۔ اگر کوئی صاحب حصولِ ثواب کی غرض سے "انتخابِ میر انیس" کی مزید جلدیں چھپوانی چاہیں تو کم سے کم ایک ۱۰۰ سو جلدیں ڈیڑھ رُوپیا فی جلد کے حساب سے "بزمِ اکبر" کے ذریعے چھپوا سکتے ہیں۔